# محاصلِ کچرا

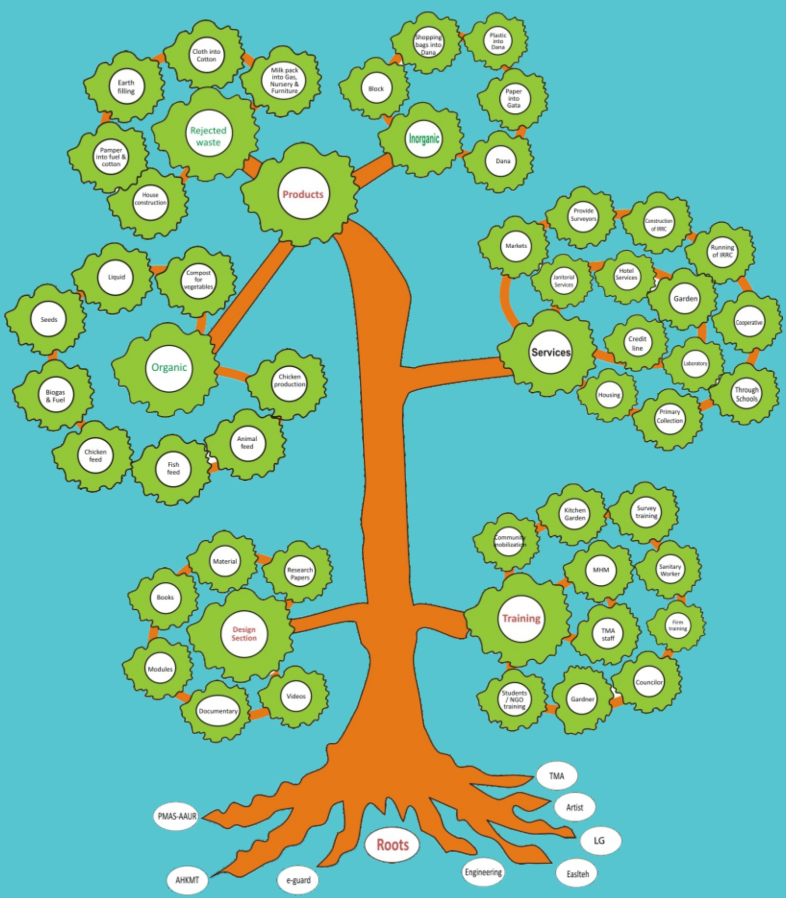


مرتب: حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# محاصلِ کچرا

حمید اللہ

# محاصلِ کچرا

حمید اللہ

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

جملہ حقوق محفوظ ہیں


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | محاصل کچرا |
| مرتب | : | حمید اللہ |
| اہتمام | : | ارشد ملک |
| زیرِ نگرانی | : | وسیم عباس |
| پروجیکٹ کوارڈینیٹر | : | عادل حسین مغل |
| کمپوزنگ/ٹائٹل | : | خاوری 03335115088 |
| موسمِ اشاعت | : | فروری 2018 |
| مطبع | : | فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی |

قیمت 200 روپے


ادارہ ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اشاعتِ کتب کا مقصد کسی کی دل آزاری یا ضرر رسانی نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو از راہِ کرم مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ادارہ)


رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی Ph: 051-5551519

ڈسٹری بیوٹر اشرف بک ایجنسی 051-5531610

کمیٹی چوک، اقبال روڈ، راولپنڈی


معیاری اور خوبصورت کتاب چھپوانے کے لیے رابطہ کریں : 051-5551519

# انتساب

ڈاکٹر اختر حمید خان

کے نام

# فہرس


| | | |
|---|---|---|
| لیکچر نمبر ۱ | : کامیاب ماڈل کی اہمیت و ضرورت | (عارف حسن) |
| لیکچر نمبر ۲ | : IRRC کیوں بنایا جائے | (فضل نور) |
| لیکچر نمبر ۳ | : ملکی سطح پر کچرے کا تناظر | (جمیل اصغر بھٹی) |
| لیکچر نمبر ۴ | : کھاد کا عمل اور اس کی افادیت | (ڈاکٹر غلام جیلانی) |
| لیکچر نمبر ۵ | : کوڑے کے منفی اثرات | (ڈاکٹر ذیشان) |
| لیکچر نمبر ۶ | : بنیادی سروے اور بزنس پلان | (حمیداللہ) |
| لیکچر نمبر ۷ | : عالمی تناظر | (سمیرا گل) |
| لیکچر نمبر ۸ | : آئی۔ آر۔ سی۔ سی کا تعارف | (حمیداللہ) |
| لیکچر نمبر ۹ | : پروموکلچر | (ڈارسی اور لیڈ) |

# اظہارتشکر

UN-Hbitat اور UN-ESCAP کے تعاون سے IRRC کے قیام کے ایک سال بعد جرمن ایمبیسی کی نمائندہ محترمہ N.Hoochhausen دیکھنے کیلئے تشریف لائیں اور بہت خوش ہوئی۔ انہوں نے اس ماڈل کو پاکستان کے دیگر علاقوں کے باشندوں کو دیکھانے کی خواہش کا اظہار کیا اور انہوں نے جرمن ایمبیسیڈر محترمہ اینالیپل سے بات کی۔

ہماری بھی یہی خواہش تھی۔ لہٰذا باہم تعاون سے پاکستان کے 18 شہروں کے سرکاری، غیر سرکاری اور سیاسی کارکنوں کی مختلف تربیتی پروگرام میں مدعو کیا گیا۔ اور اس ماڈل سے اگاہ کیا گیا۔ یہ تربیت 3 دن پر مشتمل ہوتی تھی۔

یہ افراد ڈاکٹر اختر حمید خان نیشنل سینٹر فار رورلرڈ ویلپمنٹ میں قیام کرتے۔ وہاں پر ماہرین 2 دن ان سے بات کرتے اور تیسرے دن ماڈل دیکھنے آتے۔ ان ماہرین کے لیکچر کو ہم نے قلم بند کیا جو آپ کے ہاتھ میں موجود ہے تاکہ دیگر لوگ بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکیں۔

ہم ان تمام ماہرین اور شرکاء کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس پروگرام میں حصہ لیا۔

**سمیرا گل**
پروگرام منیجر
ڈاکٹر اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ

# پیش لفظ

انسان کرۂ ارض کو تیزی سے تباہ کرر ہا ہے۔شاید وہ اس سیارے کا نہیں ہے۔اس لئے اپنی حرکتوں سے اس کو تباہی کی طرف لے جار ہا ہے۔جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ کسی جاندار کے مشابہ نہیں ہے۔اگرچہ دیگر جانداروں میں سے کوئی جاندار ایسی حرکتیں نہیں کرر ہا ہے۔جیسی کہ انسان کرر ہا ہے۔نہ کوئی جانور پلاسٹک کی تھیلی پیدا کرر ہا ہے اور نہ کوئی پرندہ دھواں۔

انسان اپنے تحفظ کی آڑ میں کئی چیزیں بنا رہا ہے۔اگرچہ دیگر چرند پرند ایسا کچھ نہیں کرر ہے اور ان کا کامل انحصار قدرت پر ہی ہے۔یہ عدم تحفظ بھی اس کے اس خطے کا نہ ہونے کی دوسری دلیل ہے۔

بہرحال اتنی بڑی مخلوق کو یہ بات سمجھانا بھی ناممکن ہے۔البتہ ان کو لالچ، تحفظ اور مضمرات سے آگاہ کر کے دنیا کی تباہی کے وقت کو بڑھانے میں کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب میں ان تمام نابغہ روزگار افراد کے اقوال کو قلمبند کیا گیا ہے۔جو زمین کے تحفظ کے داعی ہیں اور مختلف طریقوں سے حضرتِ انسان کو اس پر امادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ وجودِ زمین کیلئے باعث رحمت بنیں۔

حمیداللہ

5 فروری 2018

لیکچر نمبر ا

# کامیاب ماڈل کی اہمیت وضرورت

## عارف حسن

عارف حسن urc اربن ریسورس سینٹر کے بانی اور اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کے روح رواں ہیں۔اُن کی زمہ داری ریسرچ اینڈ ٹرینگ انسٹیٹوٹ کی تھی۔آپ نے ڈاکٹر اختر حمید خان صاحب کے ساتھ بہت وقت گزارا اور اُن کے کام کو آگے بھی بڑھایا جو سینیٹیشن کا کام تھا۔آپ مشہور ومعروف آرکیٹکٹ بھی ہیں۔آپ کو صدر پاکستان کی طرف سے تمغۂ امتیاز سے بھی نوازا گیا۔آپ کا شمارڈ ویلپمینٹ کے شعبے کی منجھے ہوئی شخصیات میں ہوتا ہے۔آپ نے کئی کُتب بھی تحریر کیں جو نئے آنے والے لوگوں کے لیئے مددگار ہیں۔نیشنل سینیٹیشن پالیسی کے خالقوں میں بھی سرفہرست ہیں۔عملی طور پہ بھی ملک میں سینیٹیشن کی صورتحال کو بہتر کرنے کے لیئے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔کئی اداروں کی رہنمائی کر رہے ہیں۔درس وتدریس کے شعبے سے بھی وابستہ ہیں۔اور ترقیاتی کاموں کو کرنے اور ترقیاتی عمل میں حصہ ڈالنے کا بہترین تجربہ رکھتے ہیں۔

ترقی کے عمل میں اہم کردار ادا کرنے والے سرگرم افراد کا حقیقت سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔وہ بدلتے ہوئے معاشرے سے بھی واقف ہوتے ہیں۔اور معاشرے میں بسنے والے لوگوں کے مسائل سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔ان کے مسائل کا تعلق ایڈمنسٹریشن اور وسائل کی کمی سے ہوتا ہے۔حالانکہ اصل میں وسائل کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ ان تک وسائل نہیں پہنچتے مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ سرکاری اہلکاروں اور سرکاری اداروں کا رابطہ غیرسرکاری ادروں کے عملی کام کرنے اور کامیاب ماڈل بناکے چلانے والے افراد سے نہیں بن پاتا۔ اگران کا آپس میں رشتہ قائم ہوجائے یا رابطہ بن جائے تو پھر کافی سارے مسائل کا حل

باہمی تعاون سے نکالا جاسکتا ہے۔خاص طور پہ مقامی حکومتوں کے حوالے سے اہم نقطہ یہ ہے۔کہ جن مما لک میں لوکل گورنمنٹ سسٹم یا مقامی نظام کا سب سے نیچے والا ستون ہوتا ہے۔ جسے ہمارے ملک میں یونین کونسل کی سطح ہوتی ہے۔اگرکسی بھی علاقے میں یونین کونسل اپنے مقامی مسائل خود حل کر سکے تو یہ سب سے بڑی کامیابی ہوتی ہے۔

ہندوستان کی مثال ہمارے سامنے ہے جہاں پنچائتی نظام کامیاب ہوا ہے۔اور وہ اس لئے کامیاب ہوا کہ وہ نقشے بنا سکتے تھے۔اپنے مسائل کی نشاندہی اور اُنکا حل خود تلاش کر سکتے ہیں۔اور پنچائت کا درجہ ہمارے یونین کونسل کے برابر ہوتا ہے۔وہ اپنی پنچائت کی سطح پہ بجٹ پہ بھی کنٹرول رکھ سکتے ہیں۔میرے خیال میں پنچائت کی طرح یونین کونسل کو بھی مظبوط بنانے کی ضرورت ہے۔اگر ہم ایسا کامیاب ماڈل بنانا چاہتے ہیں۔یہ تحصیل لیول پہ نہیں ہوسکتا ہے۔نہ ہی ضلع کی سطح پہ ہوگا۔

آج کل ہمارے ملک میں مقامی حکومتوں کا نظام موجود ہے اور یہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔قانوناً مقامی نمائندوں کے پاس بہت سے اختیارات موجود ہیں وہ یہ اختیارات استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ اُن پر سیاسی دباؤ ہوتا ہے۔اصل میں وسائل اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے یونین کونسل بہت اہمیت رکھتی ہے۔پاکستان کیلئے بھی اور عوام کے لئے بھی۔ پاکستان کے 4 بڑے مسائل کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو 4 بڑے اور اہم مسائل جو یونین کونسل کی سطح پر درپیش ہوتے ہیں۔پہلے نمبر پر سیوریج سسٹم یعنی نکاسی آب دوسرا کوڑا کرکٹ کا نظام تیسرا رہائش کا اور چوتھے نمبر پر روزگار آتا ہے۔اس قسم کے مسائل کا شکار کراچی جیسا ترقی یافتہ اور بڑا شہر بھی ہے۔

یونیسف کے سروے کے مطابق ہمارے ملک میں 80 فیصد بیماریاں پہلے دو مسائل کی وجہ سے پھیل رہی ہیں۔اکثر جو علاقے گندے ہوتے ہیں۔وہاں ڈاکٹروں کا کاروبار اچھا چلتا ہے۔فیصل آباد کے ایک علاقے ڈھڈی والا میں بھی جب تک سیوریج سسٹم نہ تھا تو وہ علاقہ گندی اور بیماریوں کا گڑھ تھا مگر جب مقامی نمائندے نزیر احمد وٹو صاحب نے اپنی مدد آپ کے تحت کام کیا۔اور وہاں سے گندگی کا خاتمہ ہوگیا۔تو اس

کے بعد ہونے والے سروے میں ڈاکٹروں کا کاروبار وہاں ختم ہوگیا تھا۔انہوں نے اپنے کاروبار کیلیئے نئے اور گندے علاقوں کا رخ کرلیا تھا۔علاقوں کو صاف ستھرا کرنے اوراور وہاں سے گندگی مسائل اور بیماریوں کے خاتمے کیلیئے کئی ماڈل بنے اور چلائے بھی گئے ہیں۔جنھوں نے اپنے علاقہ مکینوں کی تکالیف اور مسائل میں کافی حدتک کمی کی ہے یا ختم کرنے کرنے کے لئے کامیاب ماڈل بنائیں ہیں جن کو کمپونینٹ شیرنگ یعنی عوامی شراکت کا ماڈل کہا جاتا ہے۔ جو ایک محدود حدتک ہوتی ہے۔اس ماڈل کے تحت یونین کونسل کے شہری مقامی تنظیموں کی مدد سے اپنے ، پانی ،سیوریج اور کوڑا کرکٹ کے مسائل کا حل خود تھوڑی تھوڑی رقم اکھٹی کر کے نکال لیتے ہیں چھوٹی سطح پہ جبکہ بڑی سطح پہ یہ کام سرکاری ادرارے یا حکومت سے کروائے جاتے ہیں کیونکہ بڑی سطح عوام بڑے اخراجات نہیں برداشت کرسکتے۔اس کیلیئے یونین کونسل کو کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح کا ایک کامیاب ماڈل نکاسی آب کا زیرزمین سیوریج سسٹم والا ماڈل کراچی کے ایک علاقے اورنگی میں کیا گیا جسے خاص کامیابی حاصل ہوئی جس میں دوملین لوگ فیض یاب ہوئے۔کسی بھی کامیاب ماڈل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کو عوامی سطح پر کتنی پزیرائی حاصل ہوئی اور کتنے عوام یا افراد اس سے مستفید ہوئے۔

اورنگی کے علاوہ کئی دوسرے علاقے یا ٹاؤن موجود ہیں جہاں پر زمین سیوریج کا نظام نہیں بنایا گیا۔اور وہاں اب اکثر شہری سیلاب آجاتے ہیں جس کی ایک وجہ وہاں موجود کھلے نالے موجود ہیں جن میں وہاں کے لوگ خوب کوڑا کرکٹ ڈال دیتے ہیں اور وہ بھر جانے کی وجہ سے بند ہوجاتے ہیں۔تو پانی کا نکاس مشکل ہوجاتا ہے اور وہ پانی اردگرد کے گھروں میں کہ لوگوں کے مالی وجانی نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔اس طرح کے حالات حیدرآباد اور لاہور کے بھی اکثر علاقوں میں ہیں۔اس کیلیئے کئی تحقیق بھی کی گئی ہیں دوسری وجہ ایک اور ہے کہ جہاں یہ نالے سمندر میں جا کہ ملتے ہیں وہاں رہائیشی کالونیاں بن گئی ہیں۔وہاں پانی کا راستہ رک گیا۔وہ کالونیاں غریبوں کیلیئے نہیں بنائی گئیں وہ

کالونیاں امیر طبقہ کیلیئے بنادی گئیں ہیں۔

باکل اسی طرح ہندوستان کے کئی شہروں کا بھی یہی حال ہے۔ وہاں بھی نالے بند ہوگئے ہیں ۔کوڑا پھینک دیا جاتا ہے۔ ہر جگہ سیوریج سسٹم موجود نہ ہے۔ نہ ہی کوئی ڈسپوزل سسٹم ہے کہ فالتو اور استعمال شدہ پانی کو نہروں میں ڈالا جاسکے۔ اس وجہ سے مویشیوں کی بیماریوں میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ اس پہ بھی تحقیق اور اعداد و شمار موجود ہیں۔ یونین کونسل کی سطح پہ کوڑا کرکٹ کے مناسب انتظام اور اسے مناسب طریقے سے تلف کرنے کے عمل کے لئے کچھ زمین درکار ہوتی ہے ۔ کیونکہ کوڑا کرکٹ کے مسئلہ کا حل بغیر زمین کے نہیں نکالا جاسکتا۔ اور اس مسئلے کا حل یونین کونسل کی انتظامیہ ہی نکال سکتی ہے وہ نقشہ بنائے کہ ان کے پاس جگہ موجود ہے کہ نہیں اور کتنی زمین موجود ہے جو سول سوسائٹی کیلیئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ اورنگی پائلٹ پراجیکٹ او پی پی کے کام کے دوران اورنگی ٹاؤن کا نقشہ بنایا گیا جس میں 8 یونین کونسلیں تھیں آبادی 13 لاکھ تھی جب نقشے بنائے گئے تو اس پہ سارے کا سارا ڈھانچہ معلوم کیا گیا۔ کون کون سی گلیاں پختہ کی جاچکی ہیں اور کونسی باقی ہیں۔ کتنی گلیوں میں کھلی نالیاں ہیں پانی اور سیوریج کی لائنیں کہاں کہاں ہیں ۔ خالی زمین کتنی ہے اور کس کی ملکیت ہے۔ سکول کہاں کہاں ہیں ۔ سب یونین کونسلوں کے ناظمین کے پاس مکمل خاکہ آ گیا تھا۔ کہ انکی یونین کونسل میں کیا کام کرنے کی ضرورت ہے اور کتنے وسائل درکار ہونگیں۔ پہلے نمبر پر نکاسی آب کے نظام کی ضرورت محسوس ہوئی یعنی سیوریج سسٹم اور دوسرے پہ کوڑا کرکٹ کے نظام کی پانی بھی لوگوں کی ترجیح تھا مگر پہلی یا دوسری سطح پہ نہیں تھا۔

کراچی کی طرح ملک بھر کا مسئلہ کوڑا کرکٹ کو ٹھکانے لگانے کا ہے۔ مگر اس کے حل کیلیئے عوام اور حکومتی ادارے کسی مددگار کی تلاش میں رہتے ہیں کبھی کوئی (NGO) غیر سرکاری تنظیم مقامی ہو یا قومی سطح کی وہ اس کیلیئے کوشاں ہوتی ہے۔ اور لوگوں تک ثمرات پہنچاتی ہے۔ مگر وہ اس منصوبے کو کامیاب نہیں کرسکتی۔ جس کی دو جوہات ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو حل نکالتے ہیں۔ وہ مہنگا بہت ہوتا ہے۔ اور دوسرے وہ عارضی ہوتا ہے۔

یعنی 1 تا 3 سال تک جب تک اس تنظیم کے پاس بیرونی امداد ہوتی ہے۔تو وہ لوگوں کو مُفت میں سہولت دیتی ہے ۔مگر جیسے ہی ان کی مدد ختم عوام کی سہولت ختم۔دوسرا بین الاقوامی ادارے جیسے JICA، ورلڈ بینک ،یا UN وغیرہ وہ بھی میونسپل اداروں کے ساتھ مل کے شہروں کی سطح پہ معینہ مدت کے منصوبے چلاتے ہیں اس میں بہت سا پیسہ مشنری گاڑیاں تو اداروں کو مل جاتی ہیں مگر پھر انکی مقررہ مدت کے بعد عوام انہیں اپنا مائی باپ سمجھ کے انتظار کرتے رہتے ہیں۔کہ انکا کچرا کوئی اُٹھا کے لے جائے گا۔مگر کھیل ختم پیسہ ہضم ہوجاتا ہے۔البتہ ایک فائدہ ہوجاتا ہے کچھ لوگ تربیت حاصل کر لیتے ہیں ان کے ساتھ کام کرکے تجربے کرکے سیکھ جاتے ہیں اور اگلی بار کوئی اور تنظیم کوئی اور پراجیکٹ لے کہ آجائے تو انہیں تربیت یافتہ ملازمین مل جاتے ہیں۔مگر یہ ان منصوبوں کی پائیداری نہیں ہوتی۔اوران کا کام سمندر میں قطرے کے برابر ہوتا ہے۔

دوسرا اسی کام کوکرنے کا روائیتی طریقہ رہا ہے کہ میونسپل اور ٹاؤن کمیٹیوں کو یہ مسئلہ حوالے کردیا جاتا ہے۔کہ وہ اپنے شہر یا ٹاؤن کا کچرا خود ٹھکانے لگائیں۔مگر انہیں تربیت یا تکنیکی معاونت نہیں دی جاتی کہ وہ کسطرح سے مناسب انتظام کرکے کچرا تلف کریں وسائل بھی کم خرچ ہوں اور آمدن بھی حاصل ہوسکے۔البتہ انہیں مالی معاونت فراہم کردی جاتی جومقررہ وقت یا تھوڑے وقت کیلئے ہوتی ہے۔ایک یا دوسال کے بعد معاونت ختم تو کام بھی ختم یا بجٹ اتنا کم رکھا جاتا ہے کہ جوسکیمیں بنائی جاتیں وہ چل نہیں سکتیں ہیں۔

دور جدید میں اس مسئلے کا ایک اور شارٹ کٹ اور عارضی حل تلاش کیا گیا کہ کمپنی بنادی جائے اور غیر ملکی اداروں کو کُوڑا ٹھکانے لگانے کا ٹھیکہ دے دیا جائے جسے کراچی میں چائنہ کی کمپنی اور پنجاب کے کئی شہروں میں تُرکی کمپنی البراق کو دے دیا گیا ہے۔ براہ راست تو رقم اپنے ملک کی کمپنی جیسے لاہور، راولپنڈی کی ویسٹ منیجمنٹ کمپنی کو دی جاتی ہے۔مگر وہ آگے سے ''البراق'' تُرکی کمپنی کوادا کردیتے ہیں اس منصوبہ میں دومسئلے ہیں پہلا مسئلہ یہ ہمارے وسائل ملکی اداروں کی بجائے غیر ملکی کمپنیوں کی جیبوں میں چلے جاتے ہیں۔دوسرا مسئلہ یہ کمپنیاں جوحل دیتی ہیں 3 گناہ مہنگا اور ماحول دشمن ہوتا ہے۔ایک مثال یہ ہے کہ

میونسپل ادارے اپنے کچرے کو ٹھکانے لگانے پہ 11 ڈالر یعنی 1100 روپے فی ٹن خرچ کر رہے تھے غیر ملکی کمپنیاں وہی کام 33 ڈالر 3300 فی ٹن میں کر رہی ہیں اور کچرا اٹھا کے جس جگہ لے جا رہی ہیں وہاں اسے تلف کرنے کیلیئے اور وسائل کے حصول کیلیئے کوئی نظام بھی قائم نہیں کرتیں۔ لاہور میونسپل کارپوریشن جو کام سوا ارب روپے میں کرتی تھی۔ اس کو کرنے کیلیئے کمپنی کو 9 ارب روپے کی سبسڈی دی جا رہی ہے۔ یہ رقم کہاں سے آتی ہے۔ یا مستقبل میں کیسے پوری کی جائے گی وہ یہ عوام کو نہیں بتاتے۔ یقیناً عوام پر ٹیکس لگا کے ہی پُوری کریں گے۔ جب ٹیکس لگا کے مہنگا کام کرنا ہے تو اس سے عوام کو فائدہ کیا ہو گا۔ اور یہ بھی پتا نہیں کہ وہ ٹیکس عوام پر خرچ بھی ہو گا یا نہیں۔

کراچی میں ایک ہزار ٹن کوڑا روزانہ پیدا ہو رہا ہے۔ جس میں سے 50 فیصد بکنے والا ری سائیکل ویسٹ ہوتا ہے۔ جس پہ ہمارے شہر کی ساری ری سائیکلینگ صنعتیں چل رہی ہیں۔ جنھیں غیر رسمی طور پہ چلایا جا رہا ہے۔ اس سے سوا تین ارب رپے سالانہ زر مبادلہ (ٹرن اور) حاصل ہوتا ہے۔ اور اس شعبے سے کوئی سوا دو لاکھ یعنی دو لاکھ پچیس ہزار لوگ براہ راست وابستہ ہیں۔ جنہیں روزگار اور فائدہ حاصل ہے۔ اب جب شہر میں کمپنی آ گئی تو سوال اٹھا کہ وہ کوڑا کس کی ملکیت ہو گا۔ کمپنی کہتی ہے ہمارا ہو گا فیکٹری مالکان صنعت کار کہتے ہیں ہمارا ہو گا۔ چھوٹی سطح کے غیر رسمی فیکٹریوں والے کہتے ہیں یہ تو ہمارا کاروبار ہے۔ کوئی غیر ملکی کوڑا کیسے لے جا سکتے ہیں۔ بڑا تضاد موجود ہے۔ اس کوڑے میں تمام بکنے والی اشیاء پلاسٹک، کاغذ، لوہا وغیرہ موجود ہوتے ہیں۔ حتٰی کہ ہڈیاں پیس کر چکن کی مصنوعات بنائی جاتی ہیں۔ اور پرانے کپڑے مختلف ہوزری کے سامان میں استعمال ہوتے ہیں۔ گتا کاغذ سب ری سائیکل ہوتا ہے۔ فروٹ منڈی سے نکلنے والے لکڑی کے کریٹ بھی جلا کے لوہے کی کیلیں نکال لی جاتی ہیں جو فروخت ہو جاتی ہیں۔ تو ساری چھوٹی صنعتیں خام مال سے محروم ہو جاتیں ہیں۔ اور کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔ البتہ جو ماڈل IRRC پہلی دفعہ پاکستان میں بنایا گیا اور ڈاکٹر اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ کی ٹیم اس کو کامیابی سے پچھلے کئی سالوں سے چلا رہی ہے۔ مجھے وہ دیکھنے کا موقع ملا اور اس کو دیکھنے کے بعد میں اس

نتیجے پر پہنچا ہوں۔ عام طور پہ چھوٹے شہروں اور قصبوں میں میونسپل ادارے سارے کُوڑے کو مکس کر کے پھینک دیتے ہیں۔اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اس کے برعکس اس ماڈل میں مکمل طور پہ کوڑے کو الگ الگ کر کے ہر حصے سے فائدہ حاصل کیا جا رہا ہے۔

☆ دوسرا ماڈل یا منصوبوں کو چلانے کیلئے حکومتی یا غیر ملکی ادارے معینہ مدت کیلئے مالی معاونت کرتے ہیں اوراس کے بعد وہ منصوبہ بند جاتا ہے۔اس میں ایسا نہیں بلکہ یہ ایک پائیدار اور منافع بخش ماڈل بن گیا ہے۔اوراس پہ کسی کا دباؤ بھی نہیں۔جیسے چاہیں مرضی چلائیں۔

☆ غیر ملکی اداروں سے مالی معاونت نہ ملنے یا بند ہونے کے ڈر بھی نہیں رہتا۔اور نہ ہی ایسا ماڈل بنانے کے بعد حکومت یا پرائیوٹ اداروں کے آگے ہاتھ پھلانے کی ضرورت رہتی ہے۔وہ اپنے وسائل میں چلتا ہے۔

☆ عام طور پہ کچرے کو حتمی طور پر تلف کرنے کیلئے بڑی سی لینڈ فل درکار ہوتی ہے اور اسے سنبھالنے کیلئے الگ وسائل کی ضرورت۔ کچرا منتقل کرنے کیلئے الگ۔آئی آر آر سی کو بنانے سے ان سب اخراجات سے بچ سکتے ہیں۔صرف ایک تہائی زمین درکار ہوتی ہے اور ایک بار تعمیراتی اخراجات۔

☆ ایک اور اہمیت اس ماڈل کی بھی ہے۔کہ یہ پیداوار بھی فراہم کرتا ہے۔سبز کوڑے سے نامیاتی کھاد حاصل ہو جاتی ہے اور اسے جانوروں کے چارے کے طور پہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

☆ کچرے کے انتظام و انصرام پہ کم لاگت آتی ہے۔

☆ اس ماڈل کی اہمیت اس سے بھی پتا چلتی ہے۔کہ ہمارے ہاں باقاعدہ طور پہ گھروں کی سطح سے کوڑا اکرکٹ اٹھانے کا کوئی انتظام بھی نہیں ہوتا تو جب ہم ایسے ماڈل بنائیں گے تو وہ نظام بھی بنا لیا جائے گا۔

☆ عوامی سطح پر غریب آبادیوں میں اسے منصوبوں کی مانگ اور ضرورت بھی موجود ہے۔لوگ فوری طور نہ صحیح تھوڑے عرصے بعد اس منصوبے کو چلانے میں اپنا حصہ

ڈال دیتے ہیں۔اوراس سے یہ مستقل بنیادوں پہ چلایا جاسکتا ہے۔لیکن کسی بھی کامیاب ماڈل کو بنانے اور چلانے کیلئے چنداقدامات ضروری ہوتے ہیں۔

جس علاقے میں یہ ماڈل بنانا ہوتا ہے۔وہاں کے مقامی نمائندے لیڈرشپ اور سرگرم کارکن اسے آکر دیکھیں۔تو وہ جا کہ اپنے علاقے کے لوگوں کو سمجھائیں گے تو یہ بن اور چل سکے گا۔دوسرااس ماڈل کی قبولیت ہوگی تو وہ بنائیں گے۔اور جب بہت سی جگہوں پہ بنالیا جائے گااور کامیابی سے چلایا جارہاہوگا۔تو یہ بہت تیزی سے پھیلے گا۔اس کے علاوہ کسی بھی کامیاب ماڈل کی کامیابی میں ایک اور اہم چیز ہے وہ یہ ہے کہ تکنیکی معاونت یا مشاورت۔جب اسے بنایا اور چلایا جائے تو کوئی شخص یاادارہ موجود ہو جو درپیش مسائل اور چیلنج کاحل نکال سکے اس کی (مالی منصوبہ بندی) اکنامک فزابیلٹی کیلئے بھی ٹیکنیکل مشاورت کام آتی ہے۔تاکہ ہمیں اس کے حجم کے حساب سے پتا ہو کہ کتنے کچرے کے انتظام کے کیلئے کیا ڈھانچہ بنانا ضروری ہوتا ہے۔اس کیلئے وسائل کا بھی تخمینہ اسی حساب سے لگایا جاتا ہے۔جوسب سے بڑااوراہم کردارادا کرتا ہے۔وہ باخبر پبلک کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کوسپورٹ کرسکے اوراس عمل میں میڈیا بھی معاونت کرسکتا ہے۔سب سے زیادہ اہم کردارتو یونین کونسل اور تحصیل کے منتخب نمائندے ہی ادا کرسکتے ہیں۔وہ اداروں کے ساتھ ساتھ لوگوں اورشہریوں کو بھی معلومات فراہم کرسکتے ہیں۔انہیں چاہیئے وہ اس حوالے سے میٹنگ کریں عوام کے ساتھ اور بجٹ بنانے والے بااختیار لوگوں کے ساتھ تاکہ وہ آئندہ آنے والے بجٹ میں اس کو بنوانے کیلئے فنڈز مختص کرسکیں۔

زمین یونین کونسل کی طرف سے بطورشراکت ہو۔اسکو چلانے کی زمہ داری بھی یونین کونسل کی ہو۔البتہ پہلے 3 تا 5 سال کیلئے کسی غیرسرکاری یا پرائیویٹ ادارے کو دیا جائے جواسے اپنے پاؤں پہ کھڑا کردے۔یونین کونسلوں اور چلانے والوں کی ٹرینگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔وہ بھی وہ تجربہ کارادارہ ہی فراہم کرسکتا ہے۔

☆ ماڈل تو بہت آسان اور کامیاب ہے مگر دشواری صرف زمین کے حصول میں ہوگی۔

☆ پیسہ مسئلہ نہیں ہوگا زمین اور منصوبہ بندی ہوجائے اورلوگ اس کو بنانے کا فیصلہ

کرلیں تو پیسے کے بہت ذرائع ہیں کہیں نہ کہیں سے وہ لے ہی آئیں گے۔۔

☆ ایک اس کی کامیابی کا اور اہم پہلو ہوسکتا ہے۔ کہ اس کو چلانے کیلئے تجربہ کار افراد، مزدور کارکنوں کے حوالے کر دیا جائے اور وہ اسے خود چلائیں۔ دوسرے ادارے اس سے دستبردار ہو جائیں تو وہ اسے کوآپریٹو کے طور پر بھی چلا سکتے ہیں۔ اس کوآپریٹو کا لنک یونین کونسل سے ہو یہ تجربہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ آخر میں یہ کہونگا کہ ایسے کامیاب ماڈل کو کسی کو بھی دیکھا یا جا سکتا ہے۔ وزیر اعظم یا وزیر اعلیٰ کو بھی وہ اسے بڑی سطح پر کرنے کیلئے مدد فراہم کر سکتے ہیں۔ اور اپنے مُلکی وسائل کا استعمال کر کے ہی اسے کامیاب کیا جا سکتا ہے۔ نہ کہ NGO یا غیر ملکی ادرے اور کمپنیاں ایسے ماڈل بنا اور چلا سکتی ہیں۔ یہ ہماری حکومتیں ہی قومی اور صوبائی سطح پہ پلاننگ کر کے بجٹ فراہم کرے کے اور عوام کی مدد سے مستقل بنیادوں پہ چلا سکتیں ہیں۔ نہ کہ منافع بخش کمپنیوں کی طرح حکومت اور عوام سے ٹیکس اور ناجائز منافع کی توقعات رکھ کے۔

☆☆☆

لیکچر نمبر۲

# IRRC کیوں بنایا جائے

فضل نور

فضل نور آرکیٹکٹ ہیں وہ کراچی شہر میں سر سید یونیورسٹی آف انجنیئر ینگ اینڈ ٹیکنالوجی میں آرکیٹیکچر کے شعبے میں درس و تدریس کی خدمات فراہم کر رہے ہیں۔اس کے علاوہ ڈویلپمنٹ سیکٹر سے بھی گزشتہ کئی برسوں سے منسلک ہیں۔اربن ریسورس سینٹر سے آغاز کیا۔UN میں نوکری کے دوران IRRC ماڈل کو پاکستان میں متعارف کرایا۔اور پہلا IRRC اسلام آباد میں بنوایا۔

مجھے خوشی ہوتی ہے کہ اب لوگ ایسے علاقوں میں (جہاں ابھی تک سالڈ ویسٹ اس طرح کا مسئلہ نہیں) ابھی سے سوچ رہے ہیں کہ یہ آئندہ چل کے بڑا مسئلہ بن سکتا ہے اوراس کے لیے اگر ابھی سے کچھ کیا جائے تو بہت زیادہ اچھا ہوگا کیونکہ چھوٹے شہروں میں خاص کر جیسے تھوڑے دن بعد چھوٹے شہر بڑھتے جائیں گے تو شاید لینڈ فل سائیٹ کی جگہ بھی نہیں بچے گی۔پھر کچرا اتنا ہوگا کہ وہ لینڈ فل سائیٹ جو ابھی موجود ہے وہ تو بھر ہی جائے گا اور پھر نئی جگہیں نہیں ملیں گی یا اگر نئی جگہ ملے گی تو اتنی دور ملے گی کہ شاید وہاں تک کچرا لے جانا ایک مصیبت ہو جائے گا تو یہ ایک مسئلہ ہے میرے خیال سے جب ہم نے سب سے پہلے اس کی ضرورت محسوس کی تو وہ اسی وجہ سے تھی کہ یہ کچرا وہ گھر سے نکل کے کہاں جائے سو گھر سے نکل کے ہم نے سوچا کہ وہ تو جاتا ہے کھلی نالیوں میں اوپن ڈرین میں پھر وہ اگر کسی میونسپلٹی کے کچرے کے کنٹینرز میں جاتا بھی ہے تو وہاں سے ٹرک والے اٹھا کے اسے قریبی نالے میں کسی اور جگہ پہ پھینک دیتے ہیں۔یا پھر جلا دیتے ہیں ان سب سے جیسا کہ ہمارے دوست نے کہا دو قسم کے بہت بڑے نقصانات ہمیں نظر آئے پہلا تو یہ

تھا صحت کا نقصان کہ جگہ جگہ کچرا بکھرا رہنے سے لوگوں میں بیماری پھیل رہی ہے۔ دوسرا جو ہمیں نظر آ رہا ہے وہ ایک طرح کا ماحولیاتی نقصان ہے کہ کچرا بکھرا ہوا ہے یا وہ کھلی نالی کو بلاک کر رہا ہے۔ یا کسی ایسی جگہ پہ پڑا ہوا ہے کہ بارش کا پانی وہاں نکل نہیں سکتا ہے جس جگہ پہ جلایا جا رہا ہے وہاں جلانے سے جو دھواں پیدا ہوتا ہے اس کے بھی منفی اثرات مرتب اور ویسے بھی گندگی دیکھنے میں بھی بُری ہی لگتی ہے ایسا نہیں کہ وہ دیکھنے میں بہت اچھی لگتی ہو۔ اور جب سے ہم نے پلاسٹک کی تھیلیاں استعمال کرنا شروع کر لیں تو اُس سے نامیاتی کوڑا متاثر ہوا یہ کچرے میں بھی شامل ہو گئیں اور دوبارہ قابلِ استعمال بھی نہیں رہتیں اس کے علاوہ پلاسٹک کے تھیلوں والا کچرا کوئی استعمال کرنا بھی پسند نہیں کرتا تو اس جگہ سے بات شروع ہو گئی کہ اس مسئلے پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔

IRRC جو بنگلہ دیش میں شروع ہوا تو وہاں دو لوگ تھے جنھوں نے اس پہ سوچنا شروع کیا کہ اس کا کوئی درمیانہ حل ہونا چاہیے؟ تو یہ آخری حل نہیں ہے۔ مگر یہ ایک درمیانہ حل ضرور ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے کچرے کو سمجھا جائے کہ وہ ہے کیا؟ لہٰذا جہاں سے بات شروع ہوئی ہے وہ ہے گھروں کا سروے۔ گھروں کے سروے سے یہ پتہ چلے گا کہ ان میں سے جو کچرا آتا ہے اس کے اندر کیا کیا چیز شامل ہے کچرے کو الگ الگ کیا پھر چھانٹنے کے بعد یہ معلوم ہو گا۔ کہ اس میں نامیاتی کچرا یعنی چھلکے یا گل سڑ جانے والی قدرتی چیزیں کتنی اور کس حد تک (یعنی کس تناسب میں) ہیں تو اس کا طریقہ یہ نکالا گیا کہ اُسے تولا جائے، تول کر معلوم کرتے ہیں کہ اس میں نامیاتی کچرا کتنا ہے؟ غیر نامیاتی کتنا ہے؟ اور غیر نامیاتی کے اندر بھی کچھ اشیا ایسی ہیں جو دوبارہ قابلِ استعمال بن سکتی ہیں مثلاً پلاسٹک کی بوتل، کاغذ، لوہا وغیرہ (تمام بکنے والی اشیا) کس تناسب میں ہیں تو جب ہم نے کوڑے کو تولنا شروع کیا تو پتہ چلا کہ لوگ بکنے والی اشیا نہیں پھینکتے بلکہ وہ بوتل ٹین ڈبے وغیرہ خود بیچ دیتے ہیں ''کباڑیہ آتا ہے'' آواز لگاتا ہے تو گھر والے اس لے ہاتھ کباڑ بیچ دیتے ہیں تو لہٰذا یہ سمجھنا ہے کہ کباڑ کی قیمت کتنی ہے جو چیزیں لوگ پھینکتے ہیں وہ یا تو ٹوٹا ہوا سامان ہوتا ہے سالم شکل میں نہیں ہوتا جیسا کہ ٹوٹا ہوا بلب ہو گیا جس چیز کو

کباڑیہ کم مقدار میں نہیں خریدتا مثلاً کوئی ایک پھٹے ہوئے کاغذ کباڑیہ اکیلے نہیں خریدے گا ورنہ اخبار تو کباڑیہ لے جاتا ہے جو چیز کباڑیہ نہیں خریدے گا اُسے پھینک دیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ یہ قدرتی چیز جو ہے یہ اس کا کچھ نہیں ہوسکتا جیسے نامیاتی کوڑا تو پھینک دیا جاتا ہے پہلے یہ ہوتا تھا کہ ساری چیزیں مٹی دھول وغیرہ جو نکلتا تھا یہ سب چیزیں ساتھ ملا کر ایک ڈبے میں ڈالا جاتا تھا اور اسے پھینک دیا جاتا تھا۔ پہلے یہ بھی تھا کہ ہمارے اپنے گھروں میں صحن ہوتے تھے۔ ہمارے ہاں ویسے زمینیں دستیاب تھیں۔لہٰذا ان چیزوں کو پھینکنا آسان تھا مگر جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی۔

خاص طور پہ بنگلہ دیش میں ڈھاکہ شہر بہت گنجان آباد ہے اور اسے چاروں اطراف سے دریا نے گھرا ہوا ہے تو وہ شہر پھیل نہیں سکتا۔ یہ بنگلہ دیش کا واحد شہر ہے جو دارالخلافہ بھی ہے اور کراچی کی طرح پوری معاشیات کا مرکز بھی ہے اور اس کے اندر دوسری ساری سہولتیں بھی موجود ہیں جس وجہ سے بنگلہ دیش کے سارے علاقوں کے لوگ ڈھاکہ آ جاتے ہیں۔ جیسے دوسرے علاقوں سے لوگ کراچی جاتے ہیں ویسے ہی بنگلہ دیش میں لوگ ڈھاکہ آتے ہیں تو اس کی آبادی بڑھتی ہی چلی گئی اب جیسے جیسے آبادی بڑھ رہی ہے ویسے کچرے کا مسئلہ بھی زیادہ سنگین ہوتا چلا جاتا ہے تو انھوں نے سوچا کہ اب اگر ہم کچرے کو ڈھاکہ سے باہر لے کے جائیں تو بہت مصیبت کی بات ہے اس کا ہم ڈھاکہ کے اندر ہی کچھ طریقہ نکالیں۔انہوں نے جس بات پہ زور دیا وہ یہ چیزیں نہیں جو لوگ پھینک دیتے تھے کباڑ وغیرہ وہ تو لوگ بیچ دیتے تھے۔اس کو انھوں نے زیادہ اہمیت نہیں دی وہ انھوں نے سوچا کہ لوگوں کو اس بات کی تلقین کی جائے کہ جتنا زیادہ وہ خود سے بیچ سکتے ہیں اتنا بہتر ہے مگر جو بیچ نہیں سکتے جو مجبوری میں ان کو پھینکنا ہی تھا وہ اس کا کچھ کرتے ہیں۔انھوں نے اس بات پہ ذرا تحقیق شروع کی کہ یہ کس طرح کرنا چاہیے جنھوں نے یہ شروع کیا ان میں دو دوست تھے ایک آرکیٹکٹ ہے اور دوسرا جو ہے میری طرح انجینئر ہے تو ان کو ویسے پتہ نہیں تھا کہ سالڈ ویسٹ کا کرنا کیا ہے؟ انھوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ سبز یعنی نامیاتی کچرا گلتا ہے۔ اگر یہ علیحدہ ہو تو یہ کھاد بن سکتا ہے مگر اس کے ساتھ اگر

دوسری چیزیں ملی ہوں تو بہت مشکل ہے کیونکہ نامیاتی کچرے کا ایک خاص درجہ حرارت ہوتا ہے یہ بہت گرم ہوتا ہےاوراس سے گرمائش نکلتی ہے۔

انھوں نے روٹری کلب کی مدد سے ڈھا کہ میں ایک جگہ حاصل کی اس جگہ میں یہ کچرا لے آئے اور کچرے پہ تجربہ کیااس کو پہلے الگ الگ کیا نامیاتی اور غیر نامیاتی بنیادوں پھر یہ سوچا گیا کہ نامیاتی کچرے کو کیسے کھاد کی شکل دے سکیں تو انھوں کھاد بنانے کے لئے بڑا آسان طریقہ نکالا کچرے کو الٹاتے پلٹاتے رہیں تو اس کا درجہ حرارت بڑھتا رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ گل جاتا ہےاورسوکھ کرایک اورشکل اختیار کر لیتا ہے ۔لیکن اس سے بدبو بھی آتی تھی اوراگر بدبونہیں بھی آتی تھی تو لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی بدبو آئے گی تو اس بدبو کا کیا حل نکالا جائے کہ اس سے بدبو نہ آئے پھران کو سمجھ میں آیا کہ جس طرح کچرا گرمی سے گلتا ہےاسی طرح رِستا بھی ہے۔اور جو پانی نکلتا ہے وہ لیچڈ کہلاتا ہے جو بہت زیادہ بدبودار ہوتا ہےاس میں کیڑے بھی پڑتے ہیں جس کا کیا کیا جائے اس کو بھی تلف کرنے اور تحلیل کرنے کے لیے پورا طریقہ ہونا چاہیے۔ یہ سارا عمل چونکہ ایک علاقے کی بنیاد پہ کیا جارہا تھا۔ جہاں مخصوص تعداد میں گھر تھے جن کی بنیاد پہ یہ بنایا جارہا تھا تو انھوں نے ایسے کیا اندرونی کہا(Internal) یعنی یہ علاقے کا اندرونی کام ہے۔ دوسرا انھوں نے کہا کہ چونکہ کچرا فروخت کرنے سے پیسے ملیں گے ایسانہیں کہ پھینکنے والی چیز ہے بلکہ یہ آمدن کا ایک ذریعہ ہے تو دوسری بات یہ تھی کہ وسائل ویسے تو نہیں ملتے۔نامیاتی کچراایسی چیزنہیں جسے آپ نے اُٹھایااور بیچ دیا بلکہ یہ ایک را میٹریل ہے جس سے آپ نے کھاد بنانی ہوتی ہے۔اس پراسس کوانھوں نے ریکوری کہااور جس جگہ پہ یہ عمل کیا جارہاتھا اسے سینٹر کہا جاتا ہے یعنی Internal Resource Recovery Centre بولنا کافی مشکل لفظ ہے۔اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ نےتو آسان نام ہریالی سینٹر متعارف کروایا تھا۔اس انٹرنل ریسورس ریکوری سنٹرکو کیا کہیں گے۔انھوں نے انٹی گریڈڈ لکھا ہوا ہے۔کیا آپ کوعلم ہے کہ اردو یا پنجابی زبان میں اسے کیا کہیں گے ۔ ریسورس یعنی وسائل اور ریکوری کا مطلب وصولی یعنی وسائل کی وصولی

یعنی ہم بن کے گئے ہیں مائیکرو فنانس والے۔ میں اصل میں اس بات پہ زور اس لیے دے رہا ہوں تا کہ واضح ہو سکے کہ ہم کس آئیڈیا کے بارے میں بات کر رہے ہیں کیونکہ کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے کام کی اصل روح کو سمجھنا اس لیے ضروری ہوتا ہے تا کہ ہم یہ جان سکیں کہ اس کام کو کرنے میں رسک کیا ہے کیونکہ کوئی کام بھی بغیر رسک کے نہیں ہوتا۔ اگر آپ اس کا تنقیدی جائزہ لیں اور سوچیں کہ اس کو شروع کرتے ہوئے کیا مشکلات اور مسائل آسکتے ہیں تب آپ اس کی بزنس پلاننگ کر سکیں گے۔ پلاننگ یعنی حکمتِ عملی ہی بنیادی رسک ہے آپ اس رسک کو کم از کم کرنے کے لئے کیا کر سکتے ہیں یہ سوچنا ہے اور یہی پلاننگ ہوتی ہے۔تو پہلے ہم ذرا یہ سمجھیں گے کہ بنیادی مشکلات اور خدشات کیا ہیں بنیادی مشکل جسے ہم سمجھتے ہیں۔ وہ اس کا اسکیل، یعنی ایک خاص مقدار، ایک خاص پیمانہ اگر کوئی کام چاہے کاروباری مقاصد کے لئے شروع کیا جائے یا صحت کے فوائد کے لیے کیا جائے۔ اسے ایک خاص اسکیل پہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اس کو مخصوص اسکیل پہ نہ کیا جائے تو یہ ہمارے لئے فائدہ مند نہیں ہوتا نہ ہی اس میں سے منافع کما سکتے ہیں۔ وہ منافع جو ہمارے کاروبار کو پائیدار کر سکے اور اسے آگے بڑھا سکے۔ منافع بخش کاروبار بنانے کے لئے ایک خاص سکیل تک جانا ہوتا ہے اور اگر اسکی ضرورت اس اسکیل سے زیادہ محسوس ہو تو اسی اسکیل کا اور یونٹ بنانا پڑے گا یا اس کے اندر جدت پیدا کرنی پڑے گی کہ جس سے بھی منافع ہو۔ جو IRRC آپ نے دیکھا ہے وہ میرے خیال سے 2500 گھروں کے لیے بنا ہوا ہے جبکہ فی الحال 1300 گھروں سے کوڑا وصول کر کے یہاں تک لایا جا رہا ہے۔لیکن یہ ابتداء میں 2011ء میں صرف 500 گھروں سے شروع کیا گیا تھا۔ اس کے لیے کتنی جگہ چاہیے۔ اس میں کتنے بکس ہیں اور اس میں سے کتنی کھاد نکلے گی۔ اور بزنس پلان میں ایک اندازاً تخمینہ بھی لگایا گیا کہ اس کھاد کا کتنا منافع آئے گا اور 1300 گھروں سے فی گھر کتنے پیسے لیے جائیں تا کہ کچرا وصول کرنے کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ 250 روپے فی گھر طے کیا گیا جو کام کرنے والا ہے اس کے علاوہ یہ بھی طے کیا گیا کہ کم از کم ماہانہ کیا تنخواہ ملنی چاہیے۔ ورکر کو دستانے، وردی،

جوتے اور ماسک وغیرہ دستیاب ہونا چاہیے تاکہ ورکرز صبح کے وقت کچرا وصول کریں اور دوپہر کے وقت وہ کچرا الگ الگ کریں جس کے لئے IRRC میں الگ ورکرز ہوں گے۔ جو اسے پھر کھاد بنانے والے باکس میں ڈالیں گے۔ اور اس کی دیکھ بھال کریں گے اس کے جو اخراجات ہیں یعنی بنیادی سرمایہ کاری کا انتظام کیسے کرنا ہے۔ تین ٹن کے IRRC میں 12 چیمبرز کی تعمیر کوئی بھی انجینئر آسانی سے بنا سکے گا یہ بہت سادہ سا کام ہے کوئی بڑی راکٹ سائنس نہیں ہے۔ یہ تو صرف کنکریٹ اور بلاک کا بنا ہوا ہے اس میں کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے کوئی دشواری تو نہیں ہوگی۔ اس کا نقشہ بن جائے گا اور آسانی سے ایک شخص بنائے گا۔ میرے خیال میں جو اہم بات ہے۔ وہ اسکیل ہے جو ایک چیلنج ہوسکتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے طور پہ ایک الگ اسکیل بنانے میں دلچسپی رکھتا ہوگا۔ مگر جو ماڈل آپ نے دیکھا وہ خاص سطح تک چلانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ ماڈل ایسا نہیں ہے کہ کسی نے بیٹھ کے سوچا اور تعمیر شروع کردی بلکہ اس کی تعمیرات کے لئے باقاعدہ حساب کتاب کرکے ایک فارمولا طے کیا گیا کہ چیمبرز کا سائز کیا ہونا چاہیے اور تعداد میں کتنے ہونے چاہئے اور کچرے کے متعلق بنگلہ دیش میں باقاعدہ تحقیق کی گئی جس کے دوران اس بات کا خیال رکھا گیا۔ کہ کتنے لوگوں کے لئے کارآمد ہے۔ انہوں نے اپنے علاقے کیا مخصوص آبادی کے لیے الگ سے بنایا internally کا مطلب ایک خاص کمیونٹی کے لیے بنایا گیا ہے۔ کتنے لوگ، کتنے قسم کے گھر ہوں گے۔ ڈھاکہ کے اندر متوسط طبقے والوں کے لیے بنایا گیا ہے کیونکہ امیروں کے گھر کا کچرا غریب کے گھر سے نکلنے والے کچرے سے مختلف ہوتا۔ ڈھاکہ کے متوسط طبقے کے گھروں سے نکلنے والے کچرے کا سروے کرکے بنایا گیا ہے۔ اب جہاں جہاں ہم اس کی دوبارہ تعمیر کررہے ہیں وہاں کی صورتحال بھی ویسی ہی ہے ہم نے بھی اس بات کو مدنظر رکھا ہے۔ جس آبادی میں یہ تعمیر کیا گیا وہ ایک پرائیویٹ ہاؤسنگ سوسائٹی ہے کچی آبادی یا کوئی چھوٹا شہر نہیں ہے وہ اسلام آباد کا ایک سیکٹر جو پرائیویٹ طور پہ بنایا گیا ہے۔ سوسائٹی والوں کو پتہ ہے کہ انہوں نے اپنے کچرے کو خود تلف کرنا ہے تاکہ اس کے پلاٹ بکیں اور جو لوگ آ کے رہیں ان کو

ایک معیاری رہائش کی سہولت میسر ہو سکے۔آپ کو بھی وزٹ کے دوران سوسائٹی کے گھروں کا معیار اور لوگوں کی حیثیت کا اندازہ ہوا ہوگا۔ ظاہری بات ہے اگر لوگوں کو کوڑے کی وصولی کے لیے معیاری سہولت گاڑی فراہم کی جائیں تو اس کے پیٹرول، مرمت اور ڈرائیور کے اخراجات کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔ جو کہ ایک خاص تعداد تک کے گھروں کے لئے فراہم کی جاسکتی ہے جس سے اس کے اخراجات پورے ہو سکیں۔اور یہ سب ہم نے IRRC اسلام آباد بنانے سے قبل بزنس پلان بناتے وقت مدنظر رکھا۔اور یہیں سے بزنس پلان شروع ہوتا ہے۔اس کے علاوہ درکار جگہ کچرے سے کھاد بنانے کے عمل کے لئے بھی ایک مکمل معیار طے کیا گیا۔

UN-ESCAP نے پہلے ڈھاکہ میں پلاٹ کیا پھر ویت نام، کمبوڈیا، سری لنکا میں نقل کیا۔تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ واقعی کام کرتا ہے۔اس کی کامیابی کے بعد اسکو پاکستان میں کرنے کے لئے ہم سے رابطہ کیا۔ہم نے ڈاکٹر اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ کے ساتھ مل کے اسلام آباد میں مل کر بنایا کیونکہ اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ کے پاس پہلے سے اپنے طور پہ ایک ہریالی سنٹر راولپنڈی میں بنا چکے تھے اور اسلام آباد G-15 میں کوڑا اکٹھا کرنے کا کام کر رہے تھے۔مگر IRRC ماڈل UN-ESCAP اور (UN Habitat) نے جس اسٹینڈرڈ کے تحت بنایا مطلوبہ زمین، گھروں کی تعداد اور کچرے کی مقدار کے مطابق بنایا گیا اس ڈیزائن کے اندر مطلوبہ دنوں کے حساب سے اور مطلوبہ ٹن کچرا آپ ڈالا جائے گا۔ایک چیمبر میں دس سے پندرہ ٹن کچرا آتا ہے۔ جو 6 دن میں بھرتا ہے اور اسی چیمبر میں 45 دن تک رکھا جاتا ہے۔جس کے بعد کھاد بن جاتی ہے۔ جو کہ ایک سے ڈیڑھ ٹن ہوگی۔اور مطلوبہ مقدار میں کچرا 1300 گھروں سے پورا کیا جائے گا۔

یہ چند اہم نکات ہیں جن کا آپ کو خیال رکھنا ہوگا۔ جب آپ اپنے شہروں میں یہ کام شروع کریں گے۔جب کھاد تیار ہو جائے گی تو اس کو کیسے فروخت کیا جائے گا۔کھاد کی کیا قیمت ہوگی؟ پیکنگ کیسے کریں گے؟ کتنے کلو کے حساب سے کریں گے؟ پانچ کلو یا

دس کلو کے بیگ میں کریں گے وہ سب بعد کی باتیں ہیں مگر اہم بات اس کام کو شروع کرنے کے لیے یہ ہے۔ کتنے گھروں سے کتنا ٹن کچرا روزانہ نکلتا ہے۔ ایک چیمبر جو بنایا گیا ہے اس کا سائز کیا ہے اور اسکی طرح آپکو کتنے چیمبر چاہئیں ہمارے چیمبر کا سٹینڈرڈ سائز دس تا پندرہ ٹن ہے جو کہ تیرہ سو گھروں سے نکلنے والے کچرے کو ایک ہفتہ ڈالنے سے بھرتا ہے۔ آپ کو اپنے علاقے میں کچرے کی مطلوبہ مقدار معلوم کرنے کے لئے ایک سروے کرنا پڑے گا۔ جس سے آپ کو پتہ چلے گا کہ ایک ہفتے میں کتنا کچرا نکلتا ہے جس جگہ پہ آپ کام کر رہے ہیں۔ اس حساب سے آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کو کتنے چیمبرز کی ضرورت ہے اس کی مطلوبہ مقدار پورا کرنے کے لیے کتنی اُونچائی ہونی چاہئے۔ اور اس کی چوڑائی کتنی ہونی چاہیے تا کہ اس کا درجہ حرارت اس حساب سے برقرار کیا جاسکے۔ اس کے اندر سبز کوڑا ڈالنے کی حد ہے جس میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ اگر آپ اس کا خیال نہیں کریں گے تو جو پروڈکٹ کی فروخت سے آمدن مطلوب ہے وہ نہیں ہوگی۔ اگر آپ مطلوبہ مقدار بنانے میں فیل ہوگئے تو آپ کو ڈیزائن تبدیل کرنا پڑے گا اور ڈیزائن بغیر سروے اور ریسرچ کے تبدیل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ڈیزائن ایک خاص سروے اور ریسرچ کے تحت بنا ہے پھر اس کو دو تین مرتبہ ملک میں نقل کیا گیا ہے اور کراچی میں بنایا گیا یہ خاص ڈیزائن ہے UN Habitat والے ایک انچ زمین کم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے لہٰذا اس کا ایک اسکیل ہونا چاہیے جو ماڈل ہے اس کے اندر یہ شامل نہیں ہے۔ ماڈل اپنی جگہ ہے اس کے چند بنیادی اقدامات ہیں جس کو آپ چھیڑ نہیں سکتے خاص کر کے ڈیزائن کو۔ اس کو بنانے کے بعد لکڑی کا بُورا ڈال لیں یا کچھ اور چیز جس سے کھاد بننے کا عمل تیز اور موثر ہو وہ آپ ضرورت کے مطابق کرسکیں گے۔ جو بات ماڈل سے متعلقہ درج ذیل مشکلات ہوسکتی ہیں۔ سب سے پہلی مشکل سرمایہ کاری کی آسکتی ہے جس کا سرمایہ ہوگا اس کی ضرورت اور وسائل کو دیکھنا ہوگا۔ I R R C اسلام آباد کے لئے UN-ESCAP کے پاس محدود وسائل تھے جس وجہ سے انہوں نے یہ طے کیا کہ اس کا سائز تین ٹن ہونا چاہیے لہٰذا ان کی شرائط ماننی پڑیں۔

آ پکے IRRC کے لئے جوادارہ پیسے دے رہا ہے اس کی بھی چند شرائط ہوں گی ۔اسلام آباد میں ہم سوزوکی استعمال کررہے ہیں مگر ڈھاکہ میں جو ماڈل بنایا گیا، وہاں سائیکل پہ کوڑا اکٹھا کیا جاتا ہے اس سائیکل کے پیچھے ریڑھی لگی ہوتی ہے اس میں ڈالتے ہیں، سائیکل دور تک نہیں جاسکتی ہے۔اسی علاقے کے اندر چل سکتی ہے۔ کیونکہ سائیکل میں پٹرول نہیں لگتا تو وہ اخراجات کو ایک حد تک کم کر لیتے ہیں۔انھوں نے اس ماڈل کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں بنایا ہے اوراس ماڈل کو بنانے کا طریقہ بھی وہی ہے۔

اس سینٹر کو چلانے کے لئے کیا طریقہ ہونا چاہیے۔اگر ماڈل ٹیکنیکل ہے تو اس کو چلانا بھی ٹیکنیکل طریقے سے ہوگا۔ہمیں پہلے اس کو چلانے کے لئے حکمتِ عملی طے کرنا ہوگی اور صحیح اعداد وشمار کے ساتھ تخمینہ لگانا ہوگا تب ہی ہم درست اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ فائدہ مند ہی نہیں ہے اگر فائدہ مند نہیں تو اس کا ڈیزائن بنانے کا کیا فائدہ پہلے تو آپ دیکھیں کہ کس اسکیل پہ یہ فائدہ مند ہے کیا سوزوکی کے اسکیل پہ فائدہ مند ہے جیسا کہ پورے شہر میں ایک لینڈفل سائیٹ ہوتی وہ کافی نہیں ہوتی تو پھر مسئلہ وہی آئے گا۔اگر ہم نے پورے شہر کے لیے ایک IRRC بنادیا تو تھوڑے دنوں بعد ہم کہیں گے یہ تو کافی نہیں پھر ہم کیا کریں گے پھر ہم ایک اور ڈھونڈیں گے لہٰذا آپ کو ہر شہر میں چھوٹے چھوٹے حصوں میں گھروں کے سطح پہ کچرا وصول کرنے کا نظام بنانے کی ضرورت ہے۔تین مختلف طریقے سے آپ اس کو کر سکتے ہیں۔ پہلا طریقہ کاروبار کا ہے۔اس طریقے سے میونسپلٹی یا TMA نہیں کرسکتی۔ کیونکہ ان کے کام کا ڈھانچہ کاروباری نہیں ہوتا۔ وہ ایک خدمت فراہمی کے لئے بنا ہوتا ہے وہ اسے اس حوالے سے دیکھیں گے۔ جو لوگ بطور کاروباری اس میں شامل ہونا چاہتے ہیں وہ اسے کاروبار کے طریقے سے دیکھ لیں گے۔ دوسرا طریقہ ہے ماحول کے حوالے سے دیکھنا چاہیے۔جس سے ماحول بہتر ہونا چاہیے۔اس طریقے سے UN-ESCAP نے کیا ہے۔اس حوالے سے سارے حفاظتی اقدامات اور سیف گارڈ کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ اس کام کو ماحول اور آب و ہوا کی تبدیلی ( climate change) کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور اسے کاربن ڈائی آکسائیڈ میں کمی بیشی کے

ساتھ جوڑتے ہیں۔ جو اس ماڈل کو دیکھنے کا ایک الگ طریقہ ہے۔ اس طریقے سے فائدہ پیسوں کی بنیاد پہ نہیں ہے۔ فائدہ اصل میں دنیا کی آب و ہوا کے حوالے سے ہے۔ کس حد تک یہ ماڈل بہت سے ممالک کے چھوٹے شہروں اور دیہاتوں میں متوقع climate change اور جو کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج اور اس ماحول پہ اثرات کو روکنے میں مدد دیتی ہے۔ تیسرا جو طریقہ ہے وہ سوشل ہے۔ بہت ساری NGOs اور حکومتی ادارے اس حوالے سے دیکھتے ہیں کہ کسی طرح سے صفائی ہو۔ صحت بہتر ہو۔ یعنی ان کا علاقہ گلی و محلّہ صاف ہو۔ دو تین مختلف طریقے سے لوگ اس کو بنانے کے لئے سوچتے ہیں۔ آپ کا مقصد کیا ہے جس مقصد سے آپ بنانا چاہ رہے ہیں۔ آپ کو اس مقصد سے دیکھنا چاہیے کیونکہ تینوں مقصد ایک ساتھ عمل میں نہیں آسکتے۔ تین میں سے کوئی ایک مقصد کسی جگہ پہ طے کرنا ہوگا۔ جس حوالے سے بھی اس کو دیکھنا چاہیں طریقہ کار ایک ہی ہوگا۔ جو سروے ہے۔ سروے کا طریقہ اصل میں موبلائزیشن بھی ہے۔ آپ کے علاقے کا بنیادی سروے ہے۔ جس میں ایک سوالنامے کے ذریعے لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ اس جگہ پہ کون کون سی بیماریاں ہیں؟ کتنی ہیں؟ اور ان کے علاج پہ ماہانہ کیا اخراجات ہو جاتے ہیں؟ کتنے لوگ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ کتنے بچے کتنے دن سکول نہیں جا پاتے ہیں۔ بہت سارے ایسے سوالات ہیں جب لوگوں سے کیے جاتے ہیں تو لوگوں کے اندر ایک شعور آتا ہے۔ ہم نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ ہمارے جو اتنے پیسے لگتے ہیں ہمارے ہاں جو اتنی بیماریاں ہوتی ہیں اور بہت سی مشکلات اصل میں کچرے کی وجہ سے ہیں۔ سروے صرف کچرے کو وصول کر کے اسے تولنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ لوگوں کو آمادہ کرنے یعنی موبلائزیشن کا پورا عمل ہے۔ جس کو کرنا ضروری ہے۔ میں جس نقطے کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ شاید آپ اس کام کو مختلف طریقوں یا مختلف مقاصد کے حوالے سے دیکھ رہے ہوں گے۔ آپ مختلف اسکیل کا بھی سوچ رہے ہوں گے۔ لہٰذا آپ کو اُسی حوالے سے سرمایا کاری کرنا ہوگی جو کہ مختلف ذرائع سے آسکتی ہے۔ حکومتی ادارے یہ نہ سوچیں کہ وہ جو سرمایہ لگائیں گے انھیں اس حساب سے منافع بھی ہوگا۔ بلکہ حکومتی اداروں کو سرمایہ کاری کے الگ

پہلو پہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ یہ سوچیں کہ ہمارا گورنمنٹ کا ادارہ ہے اور اس کام کو کرنے کے لیے ہم جو سرمایہ لگا رہے ہیں اس کا فائدہ کیا ہوگا۔ اس سے واپس کیا ملے گا اور یہ چلے گا کیسے؟ ہمارے شہر کے جو نظام کو آگے بڑھانے میں کس طرح مدد دے گا کیونکہ آپ کا شہر ابھی تو شاید چھوٹا ہوگا مگر آہستہ آہستہ یہ بہت بڑھ جائے گا۔ جس کا انتظام آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اس کو اس طرح سے سوچنے کی ضرورت ہے۔

چھوٹے شہروں کے اندر آپ کو دیہی علاقوں کے متعلق بھی سوچنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے دیہی علاقے اب بہت پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے اندر رہنے والوں کا طرزِ زندگی بھی تبدیل ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کے کچرے کی مقدار میں بھی کافی اضافہ ہوا ہے۔ لہذا ہمیں اس حوالے سے بھی سوچنے کی ضرورت ہے۔ سماجی اداروں کو بھی اس متعلق سوچنے کی ضرورت ہے۔

دوسری اہم بات ہر جگہ UN-Escap مالی مدد بھی نہیں کرسکتا۔ اور نہ UN Habitat کرے گا۔ آپ سوچیں گے کہ اس کو قرض کی رقم سے شروع کیا جائے یہ شاید نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آپ کو گرانٹ کی ضرورت ہوگی۔ آپ اس کو قرضوں پہ شروع کرکے نہیں چلا سکتے ہیں اس کے لیے آپ کو گرانٹ لینا ضروری ہے اور گرانٹ کی رقم کا بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کب اور کہاں سے ملے گی۔ ہوسکتا ہے رقم آپ کو یک مشت نہ ملے۔ لہٰذا گرانٹ کی رقم کس فیز میں لینی ہے یہ بھی آپ کو پتا ہونا چاہیے۔ آپ کو ایک ساتھ ایک کروڑ کی بجائے پہلے چالیس پھر ساٹھ لاکھ یا چھوٹی اقساط میں بھی گرانٹ مل سکتی ہے۔ لہٰذا آپ کو اقدامات بھی مراحل میں کرنے ہوں گے کہ پہلے مرحلے میں زمین حاصل کرنی ہوگی۔ جو کمیونٹی کی طرف سے آئے یا حکومت دے اس کو بنانے کا خرچہ حکومت کو دینا چاہیے۔ اب حکومت کہاں سے یہ رقم لائے گی۔ اس کو چلانے کا خرچہ کس طرح سے نکالیں گے۔ اس کو چلانے کا خرچہ جب تک اسکیل پہ نہیں پہنچتا تو کتنی رقم کی ضرورت ہوگی؟ یہ سب سوچنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ NGOs جو اس کو ماحولیاتی حوالے سے کرنا چاہے ہیں ان کو یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ یہ سرمایہ کاری بلا آخر ہماری

دنیا کے ماحول کی بہتری کے لیے حصہ ڈال رہے ہیں۔ لہٰذا اس وقت اس دنیا میں بہت سارے ادارے ایسے ہیں جو ماحولیات کے حوالے سے سرمایہ کاری یا مالی امداد فراہم کرنا چاہتے ہیں اور ان کے لیے ایک کروڑ روپے بہت کم رقم ہے۔ تو اس حوالے سے سوچنا بھی ضروری ہے۔ سرمایہ کاری ایک چیلنج ہوسکتا ہے۔

میرے خیال میں اس کام کو مختلف نظریے سے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور مختلف لوگ اسے مختلف طریقے سے پیش کر سکتے ہیں۔

IRRC بنانے کی جو میرے نزدیک سب سے اہم وجہ ہے وہ چاہے TMA یا دوسرے ادارے ہیں چاہے حکومتی ادارے ہوں یا غیر سرکاری وہ اس سطح پہ اسے بنانے اور چلانے کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں۔ یہ قابلِ برداشت اور ہمارے وسائل کے اندر ہے۔ اس سے ابھی بھی بہت ساری چیزیں ہوسکتی ہیں۔ البتہ اس کام میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ میرے خیال سے سیاسی نظام ہوگا۔ آپ کے پیشہ ورانہ حکومتی اہل کار آپ کو روکنے کی کاشش کریں گے۔ یہاں کا تو پتہ نہیں مگر سندھ کے اندر حکومت نے سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ بنا دیا ہے۔ اب یہ کام میونسپلٹی کا نہیں رہا۔ بلکہ اس کام کے لیے جو ادارہ بنایا گیا ہے وہ پرائیویٹ معاہدہ کرتا ہے۔ سندھ کا کچرا میونسپلٹی بھی تلف نہیں کرسکتی اس ادارے کی اجازت کے بغیر۔

پنجاب میں بھی بڑے شہروں میں تو ویسٹ مینجمنٹ کمپنیاں بنا دیں گئی ہیں۔ خیبر پختونخواہ میں بھی بنانے جا رہے ہیں۔ کیونکہ کچرا اب بڑا کاروبار بن رہا ہے۔ ہماری مقامی NGOs یا چھوٹی کمپنیاں اس کام کو لے کر بہتر طریقے سے چلاسکتی ہیں بہ نسبت بڑی اور غیر ملکی کمپنیوں کے۔ اگر فتح جنگ یا کسی دوسرے چھوٹے شہر میں ایک چھوٹا سا ماڈل تیار ہو گیا تو اس کو بنیاد بنا کر اور آگے بڑھایا جائے تو اس سے تو اچھی بات کیا ہوگی۔
میرے خیال میں ہر ادارے کا اپنا ایک فوکس اور اپنا ایک مینڈیٹ ہوتا ہے اُسے اپنے مینڈیٹ کے حساب سے کام کرنے چاہئیں مگر کریں ضرور۔ آپ میں سے جو لوگ کاروبار کی حیثیت سے کرنا چاہتے ہیں وہ پرائیویٹ ہاؤسنگ سوسائٹیز اور ڈویلپر کے ساتھ کریں۔

## OOO محاصلِ کچرا OOO

جولوگ خدمت خلق کے طور پہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ میونسپلٹی اور TMA کے ساتھ مل کے کر سکتے ہیں۔ جو لوگ ماحولیاتی حوالے سے کرنا چاہتے ہیں پھر ان کو ان اداروں سے ملنا چاہیے جو بین الاقوامی ادارے ہیں کیونکہ یہ ماحول کا مسئلہ جو ہے۔ یہ عالمی مسئلہ ہے بین الاقوامی سطح کے ادارے خود آ کے اس اایشو کو مقامی سطح پر نہیں حل نہیں کر سکتے۔مگر وہ مقامی سطح پہ کام کرنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں۔اور آپ بھی اگر خود نہیں کر سکتے تو ان کی مدد کریں جو یہ کام کر رہے ہیں شکریہ۔

☆☆☆

لیکچر نمبر۳

# ملکی سطح پر کچرے کا تناظر

## جمیل اصغر بھٹی

جمیل اصغر بھٹی ایک سنئیر سماجی کارکن ہیں ترقی کے سفر میں گزشتہ 25 سالوں سے رواں دواں ہیں ۔انہوں نے کوڑے کے انتظام وانصرام کے حوالے سے کئی منصوبوں پہ کام کیا کئی مقامی ،قومی و بین الاقوامی اداروں کے ساتھ منسلک رہے ہیں جن میں UNDP، جائیکا اور ورلڈ بینک شامل ہیں۔راولپنڈی شہر میں ایک عالمی ادارے کے تعاون سے سے شروع کئے منصوبے Sweep میں کام کر چکے ہیں شہر کی سطح پہ کام کیا اس وقت ایک ادارے سالڈ ویسٹ منیجمنٹ ایسوسی ایشن آف پاکستان کے سربراہ ہیں اور مختلف اداروں کو کنسلٹنسی فراہم کر رہے ہیں۔

بات کے آغاز میں ہی کوڑے کی صورت حال پہ بات کرنے سے قبل شرکاء سے سوال کیا۔ ’’کیا آپ کو اپنے اپنے شہروں میں پیدا ہونے والے کوڑے کی اصل مقدار کا علم ہے۔‘‘

کسی نے جواب نہ دیا تو انہوں نے مثال دیتے ہوئے کہا ’’کہ آپ لوگوں کو ایک گھر کا نقشہ بنوانا ہے۔تو سب سے پہلے کیا چیز درکار (ریکوائر یمنٹ) ہوتی ہے۔کسی نے پلاٹ سائز، وسائل، آپکی ضرورت، پلاٹ کی جگہ سورج کس جگہ سے نکلتا ہے۔سیوریج سسٹم ہے۔کہ نہیں زیر زمین پانی ہے کہ نہیں روزمرہ کی ضروریات کو مدنظر رکھا جائے گا ۔مٹیریل کا خاص خیال رکھیں گے۔ان جوابات کو سن کے انہوں نے کہا میں نے تو آپ سے صرف گھر کے نقشے بنوانے کی بات کی مگر آپ نے سارے وہ اقدامات بتا دیئے جو ایک

شخص اپنے ذاتی گھر کی تعمیر کے دوران اٹھاتا یا خیال رکھتا ہے۔اس کا مطلب ہوا کہ اگر صرف ایک چھوٹا سا گھر بنانا ہو جس میں صرف ایک خاندان کے چند افراد کو چند سال گزارنے ہیں تو ہم اس کا کتنا خیال رکھتے ہیں ہر چیز کا حساب کتاب مگر بطور کوڑے کر کٹ کے منتظمین ذمہ دار،اداروں میں بیٹھ کے پورے پورے شہر کے کوڑے کو ٹھکانے لگانے سے قبل ہمیں اس کی مقدار کو بھی معلوم کرنا ضروری نہیں سمجھتے یہی ہمارے پورے ملک کی صورتِ حال کی اصل ہے۔

اگر ہم کمپنی سے بھی پوچھیں کہ آپکے پاس کوڑے کا والیم کیا ہے۔اوراسمیں کتنی نمی پائی جاتی ہے۔اور کیسے اس کا مناسب انتظام کرر ہے ہیں تو ان کے پاس اس کا کوئی خاطر خواہ جواب نہ ہوگا۔

کیونکہ نہ صرف لاہور بلکہ پورے ملک میں تمام ریاستی ادارے کوڑے کا کوئی مناسب انتظام وانصرام نہیں کررہے بلکہ وہ کوڑے کو اُٹھا کے اسے دور جا کے کہیں پھینک رہے ہیں ان کا اصل کردار کوڑے کی ترسیل یا ٹرانسپورٹیشن کہہ لیتے ہے۔انہوں نے شرکاءکو کوڑے کے سفر کے بارے میں سمجھایا کہ کیسے ہمارے گھر کے اندر سے نکلنے والا کچرا گھر سے ہوتا ہوا گلی کی نکڑ سے ڈمپنگ پوائنٹس پھر وہاں سے کسی ڈمپنگ سائیڈ جو کہ کوئی میدان، کھیت،دریا کا کنارہ، پہاڑ وغیرہ کے ساتھ بے کارلا وارث یا سرکاری اراضی پہ پھینک دیا جاتا ہے۔وہ بھی صرف 50 فیصد اپنے ذاتی تجربات کی بنیاد پہ انہوں نے کوڑے کی پیداوار مختلف شہروں میں مختلف اعداد وشمار بھی بتائے کہ کراچی اور گلگت کے کوڑے کی مقدار اور ہئیت میں کتنا فرق ہے۔

لیکن یہ فرق ہمارے اداروں اور حکمرانوں کے علم میں نہیں ہے کیونکہ یہ ادارے بھی کوڑے کے حوالے سے کوئی تحقیق نہیں کرتے جیسے ہمارے غیر سرکاری ادارے سٹڈیز وغیرہ کرتے ہیں۔البتہ ورلڈ بینک نے کچھ شہروں میں لینڈفل بنائی تھیں۔ایک شہران میں ملتان بھی تھا۔پتانہیں اس وقت وہ چل بھی رہی ہے کہ نہیں کیونکہ چلانے کی زمہ داری تو پھر سرکاری ادارے نے ہی اُٹھانی تھی۔

## ooo محاصلِ کچرا ooo

ہمارے ملک میں سرکاری اداروں نے کبھی کوئی سائنسی لینڈفل سائیٹ نہیں بنائی اس وقت ہمارے ملک میں روزانہ 80 ہزار ٹن کوڑا روزانہ پیدا ہورہا ہے۔ جس کیلئے کوئی لینڈفل سائیٹ نہیں ہیں۔ اس سارے کوڑے کا صرف 50 فیصد حصّہ اٹھا کے کہیں نہ کہیں پھینک دیا جاتا ہے۔ یا کسی جگہ اس سے زمین کی بھرائی کا عمل بھی غلط طریقے سے کیا جارہا ہے۔

اصل میں اتنے بڑے ملک میں اتنی مقدار 80 ہزار ٹن کچھ بھی نہیں ہے۔ آسٹریلیا کی آبادی ہمارے صرف ایک شہر کراچی کے برابر ہے اور وہاں بھی 80 ہزار ٹن روزانہ کچرا پیدا ہوتا ہے۔ مگر ہمارے ملک میں اس کے لئے انتظامات نہ ہیں جس وجہ سے یہ فائدہ مند سرگرمی کی بجائے وبال جان بنا ہوا ہے۔ شہری بھی کوڑے کو مناسب طریقے سے ٹھکانے لگانے میں اپنا کردار ادا نہیں کررہے ہیں۔ نہ ہی ادارں جو کچھ رقم ادا کررہے ہیں۔ ان کے کوڑے کیلئے کوئی انتظام کیا جاسکے ہمارے ملک میں سزا و جزا کا کوئی رواج نہیں ہے۔ اگر شہری کوڑے کو کھلے عام پھینک دیں تو انہیں جرمانہ کیا جاسکے لوکل گورنمنٹ آرڈیننس میں ٹی ایم اے کے پاس ایسا کرنے والوں کو 500 روپے جرمانہ کرنے کا اختیار تو موجود ہے مگر کبھی کسی آفیسر نے اس کا استعمال نہیں کیا ہوگا۔

اسی طرح وہ کسی بھی جگہ پہ کوڑے کے انتظام یا دوسری سہولیات کی فراہمی کے بدلے میں ٹیکس لگانے کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔ مگر ایسا بھی نہیں کررہے۔

اس کے علاوہ کام چوری یا سینٹری ورکرز کا اپنے کام کے علاوہ دوسرے کاموں میں مشغول ہونا بھی ایک بڑا المیہ ہے سوائے سرائے عالمگیر کے پنجاب کے شہر کے جہاں پہ میں نے خود ضلع ناظم صاحب کی مدد سے تمام سرکاری سینٹری ورکرز جو کسی نہ کسی آفیسر یا منتخب عہدداران کے گھروں پہ کام کررہے تھے۔ انہیں واپس بلا کے 2 سال تک صرف شہر کی صفائی پر لگایا تو وہ شہر پنجاب میں مثال بنا اور آج بھی وہ اسی طرح سے کام کررہے ہیں۔

اس کے علاوہ ہمارے سرکاری ادارے ہر وقت کسی نہ کسی بیرونی امداد کی انتظار میں رہتے ہیں۔ کہ کوئی غیر ملکی ڈونر یا بڑی این جی اوز آکر ان کو وسائل فراہم کرے گی

تو وہ اپنے کوڑے کا انتظام کریں گے۔اس میں بھی اگر کوئی آجایئے تو وہ صرف کوڑے کی ترسیل کیلئے گاڑیوں کا مطالبہ یا تو پھر پٹرول کا ہی مطالبہ کردیتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہمارے ملک میں جو اصل کوڑے کو اٹھانے کا انتظام کرنے والے کارکن ہوتے ہیں۔ان کو یہ ادارے کوئی عزت واحترام نہیں دیتے بلکہ انہیں مختلف ناموں سے نوازا گیا جیسے بھنگی، چوڑا، جمعدار وغیرہ خاکروب بھی بہت کم بولا جاتا ہے دوسرے نام زیادہ اور دوسرا بڑا مسئلہ ان کی تعداد کا ہمارے ملک میں مختلف شہروں میں لاکھوں افراد کے پیدا کئے گئے کوڑے کو اٹھانے کیلئے ہزاروں کیا سینکڑوں میں بھی سینٹری ورکرز نہیں دستیاب ہوتے ۔کم تعداد کی وجہ سے ان کا وقت صیح طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ورکرز کو جو علاقے دیئے جاتے ہیں وہ اس میں کام کر کے دوسرے علاقوں میں چلے جاتے ہیں اور 24 گھنٹے بعد اس علاقے کا نمبر دوبارہ آتا ہے۔لیکن لوگ اپنے گھر کا کچرا گھر میں 12 یا 24 گھنٹے رکھنے کو تیار نہیں ہوتے لہٰذا زیادہ تر کوڑا کرکٹ باہر پڑا ہوتا ہے۔اور عوام اداروں کو گالیاں نکال رہے ہوتے ہیں کہ میونسپلٹی والے کام نہیں کرتے ۔ ہمارے ملک میں صرف موٹروے پہ گند پھینکنے پر دوسو روپے جرمانہ ہوتا ہے۔اور کہیں نہیں لہٰذا لوگ موٹروے پر گند نہیں پھینکتے باقی ہر جگہ پھینک دیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں باقاعدہ کوئی سیکنڈری کولیکشن پوائنٹس بھی نہیں جہاں پہ لوگ اپنا کچرا چاہے تو خود لائے پھینک سکیں یا خاکروب لگوا کے اس سے اٹھوالیں اس وجہ سے وہ تمام کچرا کھلی اور خالی جگہ پلاٹس وغیرہ پھینک دیتے ہیں۔ جہاں سے ادارے بھی نہیں اُٹھاتے کہ یہ لوگوں کی ذاتی جگہ ہے۔ ہماری ذمہ داری نہیں اسے صاف کرنا۔

حتیٰ کہ پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں کھلی جگہوں جہاں سیکٹرز یا اہم ادارے بنے تھے وہاں لوگ اور سی ڈی اے خود بھی کچرا پھینکتے ہیں۔جیسے NUST والی جگہ پہ 22 سال تک سارے اسلام آباد کا کوڑا پھینکا جاتا رہا پھر اس پہ یونیورسٹی بنادی گئی۔اس کے نقصانات کی پرواہ کئے بغیر کہ اس کا زیر زمین پانی یا ماحول پہ کیا اثر ہوگا۔اسی طرح پنجاب کے دارالخلافہ لاہور کے شہر بھر کا کچرا لنک روڈ سے محمود بوٹی کے راستے میں

پھینکا جا رہا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ سارا روڈ پانی سے بھرا ہوتا ہے۔ جو اصل میں کوڑے سے نکلنے والا لیچڑ ہے۔ جس سے بد بو تعفن کے ساتھ بیماریاں اور مکھیاں مچھر کے علاوہ چیل کوّے بھی اس علاقے میں بہت عام ہو گئے ہیں۔ ہمارے ملک میں عوام اور ادروں کو اصل میں کوڑا کی ہیئت اسمیں موجود نامیاتی اور غیر نامیاتی کچرے کے تناسب کا بھی علم نہیں ہے نہ ہی اس کے فوائد و استعمال کا طریقہ اور اہمیت سے واقفیت ہے۔

ہمارے ملک میں اداروں نے باقاعدہ کوڑے کو الگ الگ کر کے ان کو دوبارہ قابل استعمال یا خام مال بھی بنانے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا صرف غیر رسمی شعبہ اس میں متحرک ہے۔ جس کو ریاست کی طرف سے کوئی تعان نہیں ملتا۔

گھروں میں بھی لوگ اپنے کوڑے کو الگ الگ نہیں کرتے نہ ہی کوئی کھاد وغیرہ بنانے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بہت تھوڑے مقدار میں کچرا RDF کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جو کہ بطور متبادل ایندھن کے استعمال ہو رہا ہے کوئلے، تیل، لکڑی وغیرہ کی جگہ پہ وہ بھی اینٹوں کے بھٹوں یا چند سیمنٹ فیکٹریوں میں، ہسپتالوں کے خطرناک کچرے کو انسریٹ (جلانے) کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں زیادہ تر اسی طرح پھینکا جا رہا ہے۔ جو انسریٹ کر بھی رہے ہیں وہ سنگل چیمبر اسنر یٹر استعمال کر رہے ہے جو ماحول کیلئے خطرناک ہیں اور انہیں بھی بھٹی کے طور پر چلایا جا رہا ہے۔ اور انہیں غیر ہنر مند اور غیر تربیت یافتہ افراد انہیں چلا رہے ہوتے ہیں جن سے 800 سنٹی گریڈ درجہ حرارت کی جگہ پر 400 سنٹی گریڈ پر برن کیا جائے گا تو گیسیں نکل کر ماحول پر کیا اثرات مرتب کریں گی۔ اس کے علاوہ دوسرا خطرناک کوڑا جیسے بلب وغیرہ بیٹریز بھی بغیر الگ کئے کھلے عام ڈھیروں پر پھینکے جاتے ہیں۔

گھروں میں سبزیاں اگانے کا رواج نہیں رہا جس وجہ سے قدرتی کھاد کی ضرورت نہیں اور نامیاتی کچرے کو اسی وجہ سے اسی طرح پھینکا جا رہا ہے۔ اور ریاستی ادارے بڑی سطح پہ بھی نامیاتی کچرے سے توانائی یا کھاد بنانے کے کسی منصوبے کے حق میں بھی نظر نہیں آتے اصل میں ہمارے ملک کی عوام اور رہائشی ادارے ابھی تک کچرے کو مسئلہ نہیں سمجھتے نہ ہی اسے تلف کرنے کے انتظام میں سنجیدہ نظر آتے ہیں یہ صورتحال ہے۔

لیکچر نمبر ۴

# کھاد کا عمل اور اس کی افادیت

غلام جیلانی

پروفیسر ڈاکٹر غلام جیلانی گزشتہ 30 برس سے درس و تدریس کا پیشہ اپنائے ہوئے وہ ان دنوں ایرڈ ایگریکلچر یونیورسٹی میں نہ صرف پڑھا رہے ہیں۔ بلکہ عملی طور پر ایسے تجربات کر رہے ہیں۔ جو زمین کی زرخیزی کے لئے کارآمد ہے۔ وہ زمین دوست شخصیت ہے اور ہمہ وقت زمین کے تحفظ کے منصوبوں کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اور تجربات کرتے رہتے ہیں۔

قدرتی کھاد جو زمیندار بناتا ہے اپنے مویشیوں کے گوبر، پولٹری فارم یا جو گھر کا کوڑا کرکٹ ہوتا ہے۔ اُسے وہ اکٹھا کر کے ڈھیر کی شکل میں اپنے گھر کے پاس یا جو باڑہ ہوتا ہے۔ اُس کے قریب ہی ڈھیر لگاتا رہتا ہے سارا سال اکٹھا کرتا ہے۔ اور اگلے سال اُسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ گل سڑ گیا ہے تو اُس کو دیسی کھاد کی شکل میں یا ڈھیر جس کو 'تاح' کہتے ہیں مختلف زبانوں میں مختلف علاقوں میں وہ اُس کے لئے مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ اُسے اپنے سب سے کمزور کھیت میں ڈالتا ہے کیوں کہ اُس کو اس کی اہمیت پتہ ہوتی ہے کہ یہ زیادہ طاقتور کھاد ہے کیمیکل کھادوں کی نسبت یہ زیادہ زمین کو ٹھنڈا کرتی ہے زمین کو طاقت دیتی ہے اور زیادہ عرصے تک زمین کو طاقت دیتی رہتی ہے اُس نے جہاں پر اچھی فصل لگانی ہوتی ہے مثلاً گنا لگانا یا سبزی لگانی ہے خاص طور پر باغ اور سبزیوں میں تو وہ لازمی استعمال کرتا ہے، وہ کھاد اُس کو ہم دیسی کھاد یا 'پاح' کہہ لیں اُس میں اور compost کے طریقہ کار میں واضح فرق ہے Compost یہ ایک سائنسی طریقہ کار ہے اور جو زمیندار کرتا

ہے وہ ایک سادہ طریقہ ہے سادہ طریقے میں بہت سارے اجزاء ضائع ہو جاتے ہیں مثلاً نائٹروجن Ammonia کی شکل اختیار کر لیتی ہے بارش کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں کیونکہ وہ ڈھیر پر پھینکتا رہتا ہے اُس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس میں کیا عمل ہو رہا ہے وہ اُس کو اچھے اور مناسب طریقے سے ہلاتا نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے اس ڈھیر کو قدرتی طور پر تیار ہونے میں کافی دیر لگ جاتی ہے۔ یہ ڈھیر سال چھ مہینے یا اس سے زیادہ ٹائم بھی پڑا رہتا ہے تو وہ استعمال کے لیے تھوڑا بہت تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سب کمی و کمزوریوں کے باوجود اُس میں طاقت ہوتی ہے۔ اور وہ کام کرتی ہے۔ جس کا زمیندار کو اندازہ ہوتا ہے۔ اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ والے جس سسٹم کے متعلق بتا رہے ہیں اس میں زیادہ تر شہروں کا کوڑا کرکٹ ہوتا ہے ایک شخص تقریباً روزانہ آدھا کلو کوڑا پیدا کرتا ہے جو گھروں سے باہر نکلتا ہے شہروں میں اکٹھا ہوتا ہے میونسپل کارپوریشن (TMA) والے بڑی کوشش کے باوجود بعض اوقات وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ٹھکانے نہیں لگا سکتے کیونکہ اُن کے پاس چھوٹے علاقوں میں اتنے لوڈر نہیں ہوتے اگر ہوتے بھی ہیں تو وہ open ٹرالیز میں لے جاتے ہیں۔ اکثر شہروں میں بہت سارے مسائل کے بعد بھی وہ اکٹھا کر لیتے ہیں لیکن اکٹھا کرنے کے بعد اُنہیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کہاں پھینکیں اور تقریباً زیادہ تر شہروں میں کوئی خالی، ویران یا کوئی نیچی جگہ ہو اس کی بھرائی کے لئے پھینک دیتے ہیں اور اُس میں پھینکتے رہتے ہیں جس سے وہ جگہ لینڈفل سائیڈ بن جاتی ہے۔

ہمارا جو کمپوسٹ سسٹم ہے یہ ایک قدرتی مگر سائنسی طریقہ ہے۔ ہم کمپوسٹ بنا رہے ہیں کمپوسٹ (بہت زیادہ گلی سڑی دیسی کھاد کی فیملی کی ایک بہتر شکل) جو مٹی کی طرح نرم ہو گی اس میں کچرا نہیں ہو گا، کوئی پتہ نظر نہیں آئے گا، جب ہاتھ میں دبائیں گے تو بالکل ایک ڈارک براؤن سا مواد محسوس ہو گا یہ ولایتی کھاد اور دیسی کھاد کی درمیان کی شکل ہو جائے گی تو اُس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس میں بہت زیادہ خوراک کے اجزء ہوتے ہیں اور طاقت زیادہ ہوتی ہے عام 'پاح' کے مقابلے میں اس کی زمین کو بہتر کرنے کی اہلیت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی تھوڑی مقدار میں زیادہ فوائد ہوتے ہیں گاؤں والے جو کرتے ہیں اُس میں پیچھے

بھی پھینک رہے ہیں چارہ بھی پھینک رہے ہیں یعنی جو نہ گلنے والا مواد ہے وہ بھی پھینکتے ہیں اورآخر میں یہ ہوتا ہے کہ اُس کی کوالٹی زیادہ اچھی نہیں ہوتی جبکہ ہم کمپوسٹ کو شروع دن سے ہی manage کرنا شروع کرتے ہیں تا کہ اس میں کوئی غیر ضروری چیز نہ آئے ہم با قاعدہ طریقے اپناتے ہیں۔ اس میں ضرورت پڑنے پر کھاد بھی ڈال سکتے ہیں۔ کمپوسٹ کے باکس بڑے ہوتے ہیں اور ضرورت کے مطابق پانی بھی ڈالتے ہیں مکس کرتے ہیں اور غیر ضروری چیزوں کو الگ کرتے ہیں۔آپ نے منظّم طریقے سے کوڑے کو manage کرنا ہے اور اُس سے جو پراڈکٹ بنتی ہے وہ کسانوں کو دینی ہے تا کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ کیمیکل کھادیں یا کیمیکل pesticide صحت کے لیے نقصان دہ چیزیں ہیں تو اپنی آنے والی نسلوں اور اپنی صحت کو بچانے کہ لیے ہمیں خود تھوڑا سا کام کرنا پڑے گا جو چیزیں ضائع ہو رہی ہیں ان کو قابلِ استعمال بنانا ہے اور اُن سے فائدہ اُٹھانا ہے جو ہمارا طریقہ کار ہے کمپوسٹ بنانے کا اُس کا اصل مقصد یہی ہے کہ صحت مند معاشرہ ہو صفائی ہو اور جو چیزیں ضائع ہو رہی ہیں اُن کو قابلِ استعمال بنایا جائے۔

تو آغاز کرتے ہیں کہ یہ عمل کیا ہوتا ہے؟ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اور اس کے فوائد کیا ہیں؟ طریقہ کار کیا ہے؟ (composting) کی تعریف یہ ہے کہ کمپوسٹنگ ایک ایسا حیاتیاتی عمل ہے جس میں مائیکرو آرگنزم جیسے کہ بیکٹیریا اور فنگی اور دوسرے بیکٹیریا نامیاتی مواد کو مٹی کی صورت میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ نامیاتی مواد بالکل مٹی کی طرح ہو جاتا ہے اور بیکٹیریا یہ کام کرتے ہیں اگر بیکٹیریا نہ ہوں تو چند دنوں میں دنیا میں جتنا کوڑا پیدا ہو رہا ہے، اس کی وجہ سے دنیا انسانوں کے رہنے کے قابل نہیں رہے گی۔ بیکٹیریا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرتی نعمت ہیں۔ یہ چوبیس گھنٹے جو کام کرتے ہیں وہ اپنی خوراک کے لیے کرتے ہیں لیکن اس کا فائدہ ہمیں ہے کہ یہ کوڑے کو استعمال کرتے ہیں اور اس کو گیسس میں اور <u>nutronze</u> میں تبدیل کر کے قابل استعمال بناتے ہیں کھاد بنانا نامیاتی کوڑے کو محفوظ اور سستے طریقے سے ٹھکانے لگانے کا بہترین نظام ہے نامیاتی کوڑے میں اہم غذائی اجزاء موجود ہوتے ہیں جسے کھاد بنانے کے عمل کے دوران بہت

احتیاط سے اور منظّم طریقے سے بچایا جاتا ہے جس سے کھاد کی افادیت میں اضافہ ہوجاتا ہے کھاد بنانے کا عمل کیسے ہوتا ہے؟ اُس کے فوائد کیا ہیں؟ سائنسی طریقہ کیا ہے ؟اس کی مطلوبہ مقدار کتنی ہونی چاہیئے ؟نامیاتی کوڑے سے کھاد بنانے کے لیے کیا کیا چیزیں کرنا ضروری ہوتی ہیں؟اس کی تفصیل یہ ہے:

سب سے پہلے کھاد( کمپوسٹنگ یونٹ ) کے لئے کوئی گڑھا یا باکس بنانا ہوتا ہے جس کے اندر کوڑے کو اکٹھا کر کے کھاد بنائی جاتی ہے ۔اس میں ضرورت کے مطابق ڈالا جاتا ہے microaroganisim قدرتی طور پر موجود ہوتے ہیں یا ہم خود تحقیق کے ذریعے کچھ بیکٹر یا علیحدہ کرتے ہیں یا ہمارے پاس ایسا میٹریل پڑا ہوتا ہے اُس میں ڈالتے ہیں جس سے یہ پراسس تیز ہوجاتا ہے جیسا کہ خمیر (Yeast) وغیرہ اس طرح جو عمل سال میں یا چھ مہینے میں ہونا ہوتا ہے وہ دو تین مہینوں میں مکمل ہو جاتا ہے اُس مواد میں پانی بھی ڈالا جاتا ہے آکسیجن کے لئے بھی طریقہ کار ہے یا اسے کچھ دنوں کے بعد اُلٹ پُلٹ کر کے یا ہلائیں جلائیں مکس اپ کریں تو اُس میں آکسیجن خود بخود آجائے گی یا پھر یہ ہے کہ پائپ وغیرہ سے پریشر کے ساتھ ہوا دی جائے تا کہ آکسیجن پیدا ہو سکے۔ بیکٹیریا کے لیے آکسیجن اتنی ہی ضروری ہے جیسے ہم انسانوں کو سانس لینے کے لیے چاہیے البتہ جب یہ عمل ہورہا ہوتا ہے۔ تو اُس میں سے گرمائش نکلتی ہے۔جس کی وجہ سے 70 ڈگری سینٹی گریڈ تک درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے زمیندار کے طریقہ کار میں تو وہ اس میں پانی نہیں ڈالتے وہ خشک پڑا رہتا ہے عرصے تک جب کبھی بارش ہوگی تب اُس میں پانی آجائے گا تو اس طرح گرمائش نہیں آئے گی۔ گرمائش آنے کا یہ فائدہ ہے کہ جو مکھیاں، مچھر اور جراثیم جو نقصان دہ ہیں وہ مرجاتے ہیں۔ 70 ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جبکہ 37 ڈگری انسانی جسم کا ٹمریچر ہوتا ہے۔ 70 ڈگری سینٹی گریڈ ڈبل ٹمپریچر ہوجاتا ہے۔لیکن اس میں بیکٹیریا موجود ہوتے ہیں کیونکہ جب ہم پراسس کرتے ہیں۔ پانی بخارات بن کے اُڑ جاتا ہے کاربن ڈائی آکسائیڈ اور امونیا وغیرہ مختلف گیسس میں کچھ چیزیں اضافی بھی ہوتی ہیں اس سسٹم کو آگے ہم preserve کر رہے ہیں کہ یہ چیزیں نہ نکلیں تا کہ جتنا میٹیریل

اس کے اندر ہے وہ ذرا اچھی کھاد میں آ جائے آخر میں humus بن جاتا ہے بالکل گلاسڑا جس میں نہ ہی نامیاتی مواد ہے اور نہ ہی کوڑا کرکٹ کی شکل نظر آئے گی۔ محسوس نہیں ہوگا کہ اس میں پتا پڑا ہوا ہے، پودے کی جڑ، یا گوبر ڈالا ہوا تھا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ بالکل مٹی کی طرح یک جاں ہو جائے ہر چیز تو اُس کو humus کہتے ہیں۔ کمپوسٹ کا پراسس دو سے تین ماہ کا ہوتا ہے۔ قدرتی طور کمپوسٹ کا عمل اگر ساری چیزیں اُس کی ضرورت کے مطابق ہوں تو تین چار مہینے کا ٹائم لگ جاتا ہے لیکن درجہ حرارت بڑھا کے یہ عمل چالیس سے پینتالیس دنوں میں ہو جاتا ہے اس میں کچھ بیکٹیر یا کم درجہ حرارت پر کام کرتے ہیں اور کچھ زیادہ پر مختلف مراحل ہوتے ہیں۔ شروع میں درجہ حرارت اوپر جائے گا آخر میں نیچے آنا شروع ہو جائے گا اگر پانی کا استعمال کیا جائے تو پہلے پندرہ بیس دنوں کے دوران درجہ حرارت اوپر جائے گا مگر اس کے بعد درجہ حرارت نیچے آئے گا یا پھر اسکے بعد مزید اور اُوپر

TABLE 3 - Physical and chemical characteristics of mature compost

| Characteristics | Best range | Comments |
|---|---|---|
| pH | 6.5-7.5 | If below 5 or above 8 then it may be injurious to plants |
| Color | Dark brown to black | |
| Texture | Crumby | Larger particles change into finer ones |
| Odour | Odourless | Mature compost (well decomposed) should have slight earthy smell |
| Moisture | 15-25% | Low moisture materials may be dusty |
| C: N ratio | 10-15:1 | Compost with high C/N ratio will reduce N availability to plants |
| Organic matter | 40-60% | Low values indicate compost mixed with soil. High values indicate fresh, undecomposed material |
| Electrical conductivity | 0-4 dS $m^{-1}$ | Critical for greenhouse / potting mixes; less critical for farmland application |
| Nitrogen | 1-3% | |
| Phosphorus | 0.5-1% | |
| Potassium | 1-1.5% | |

نہیں جائے گا یہ اس کے سائنسی پیرامیٹرز ہیں کھاد میں جو پہلی خوبی ہوتی ہے۔ وہ PH ہوتی ہے یعنی کہ تیزابیت جیسے پانی کی تیزابیت سات ہے اچھی زمین کی تیزابیت چھ تا ساڑھے

سات تک ہو گی اگر آٹھ یا آٹھ سے زیادہ ہو جائے تو یہ کلر والی زمین ہوتی ہے جس میں نمکیات یعنی تیزابیت زیادہ ہوتی ہے۔ تیزابیت چھ اور سات کے درمیان ہونی چاہیے اگر زیادہ ہو تو اُس میں دیگر میٹریل سلفر وغیرہ ڈالتے ہیں اور اگر تیزابیت کم ہے تو اس میں چونا ڈالتے ہیں میٹریل کو ایڈجسٹ کرنے کا یہ ایک طریقہ کار ہے کھاد کا رنگ گہرا بھورا یا سیاہ ہوتا ہے۔ یہ کام سائنس دان کرتے ہیں آپ سب کے لیے میرا ایک میسج ہے کہ آپ کو بھی یہ کام کرنا چاہیے۔ آپ کے ضلع میں Soil fertility and water testing لیبارٹری ہوتی ہے مظفر گڑھ، لیہ اور چکوال میں بھی ہے تحصیل لیول پر نہیں ہوتی۔ بلکہ پورے پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے Soil and water کا محکمہ موجود ہے۔ وہاں پر سارے Instrument موجود ہوتے ہیں زمین، پانی یا کھاد کا ٹیسٹ کروانا ہو وہاں یہ آلات دستیاب ہیں آپ جا سکتے ہیں ان سے ہدایات لیں سکتے ہیں مشاورت اور ٹیسٹ کروا سکتے ہیں۔

PH چیک کرنے کیلئے paper litmus یا PH test strips مارکیٹ میں موجود ہیں اُس کے استعمال سے آپ کو مکمل مقدار کا اندازہ ہو گا کہ PH کتنی ہے۔ صرف ڈبوئیں اس لیکوڈ میں، وہ PH آپ کو بتا دے گا۔ وہ بڑے سستے ہیں دو سو روپے میں پانچ چھ سو strips کا پیکٹ آتا ہے بڑا سستا سا ہے۔ کچھ لوگ جو پڑھے لکھے ہیں وہ دودھ کو بھی ٹیسٹ کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ اس میں یوریا تو نہیں ڈالا ہوا یا نا خالص تو نہیں just dip کر کے دیکھ لیں اگر نیلا رنگ آ گیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس میں ملاوٹ ہوئی ہے اگر اُس میں سرخ یا گلابی رنگ آ جائیں تو پھر وہ ٹھیک ہے یہ پی ایچ کے ٹیسٹ کرنے کے طریقے ہیں۔ کھاد کی smell نہیں ہونی چاہیے۔ آپ جب کسی ڈمپنگ سائیڈ جہاں پہ کوڑے کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں وہاں سے گزریں تو وہاں بدبو سے بھی آگے بات پہنچی ہوتی ہے ہم جو کھاد بنا رہے ہیں اس سے بدبو نہیں آئے گی جبکہ پاح سے بھی بدبو آتی ہے اس کے علاوہ پاح میں جو نامیاتی مواد ہوتا ہے وہ پورا گلا سڑا نہیں ہوتا، یعنی یونیفارم میٹریل نہیں ہوتا۔

ہماری کھاد میں نمی (moistures) پندرہ سے پچیس فیصد ہو گی یعنی تھوڑا سا

گیلا پن ہوگا CN بہت اہم ہے کیونکہ اس میں ہم میٹریل ڈالتے ہیں تو اس کی کاربن زیادہ ہوتی ہے۔ پاح یعنی دیسی طریقہ کار میں گھاس، پتے وغیرہ ہوتے ہیں اور اس میں ہوا کا گزر نہیں ہوتا اس وجہ سے اس کی کاربن زیادہ ہو جاتی ہے اور نائٹروجن بھی جتنی ہمیں چاہیے ہوتی ہے اتنی نہیں ہوتی۔ جبکہ سائنسی طریقہ کار میں بیکٹیریا کاربن استعمال کرتے ہیں۔ اور کاربن ڈائی آکسائیڈ بنا کے اس کو ہوا میں نکالتے جاتے ہیں جس سے اس کی کاربن نیچے آجاتی ہے اور nitrogen کا لیول بھی کم ہو جاتا ہے اس کی شرح کم ہوتی جاتی ہے اور یہ جب تیار ہوتی ہے تو اس کی شرح دس سے پندرہ ہونی چاہیے اور ایک حصہ nitrogen اگر اس سے زیادہ ہوگی تو نا قابل استعمال ہوتی ہے اور ابھی تک تیار نہیں ہوئی ہوتی نامیاتی طریقے میں نامیاتی مادہ humas اور نمکیات بھی ہوتے ہیں۔ کسی بھی زمین میں PH ماپتے ہیں تو Electrical Conductivity بتاتی ہے کہ اس میں نمکیات کتنے ہیں اگر نمکیات زیادہ ہوں تو یہ زمین کے لیے اچھے نہیں ہوتے۔ نمکیات کی شرح 4 سے کم ہونی چاہیے۔ نائٹروجن، فاسفورس، پوٹاشیم کا بھی اپنا تناسب ہوتا ہے اچھی کھاد جب تیار ہوتی ہے تو اس کا <u>1/7.5</u> یہ کم سے کم لیول ہوتا ہے یا اس سے ڈبل بھی ہوسکتا ہے۔ یقیناً آپکو اندازہ ہوا ہوگا کہ کس طرح سے اچھی کھاد تیار کی جاسکتی ہے۔ اگر آپ عملی طور پر کھاد بنانے کا طریقہ سیکھنا چاہتے ہیں تو آپ IRRC کو دیکھ سکتے ہیں جو کہ اسلام آباد G/15 میں واقع ہے۔

کیمیائی کھاد کے مقابلے میں اگر نامیاتی کھاد اپنی زراعت کے لیے استعمال کریں تو اس کے اثرات کیمیائی کھادوں سے بہتر ہوں گے۔ کیمیائی کھاد انگریزی ادویات کی طرح ہوتی ہے جس کے منفی اثرات زمین کو کمزور بنا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر بندے کو گلوکوز کی ڈرپ لگا دیتے ہیں تو خوراک کے برابر نہیں ہوسکتی جس طرح آپ روزانہ کھانا کھاتے ہیں اسکی اپنی اہمیت ہوتی ہے اس میں ہر طرح کے غذائی اجزاء ہوتے ہیں اس میں میٹھا ہو تو وہ وقتی طور پر آپکے میٹھے کے تناسب کو برقرار رکھتا ہے لیکن وہ آپ کی ضرورت کے مطابق توانائی فراہم نہیں کرسکتا کیمیائی کھادیں ایک طرح کی ڈریپ Drip ہوتی ہیں جو زمین کو لگا دیں تو کچھ عرصے کے لیے اچھی فصل دیں گی جب کہ دیسی کھاد یا کمپوسٹ زمین

کو لمبے عرصے تک طاقت دیتی ہے اور فصلوں کا معیار اچھا کرتی ہیں اس سے آپ کی صحت اچھی ہوگی اور بیماریاں کم لگیں گی۔ چونکہ زمین میں بہت سے فائدہ مند جراثیم اور کیڑے بھی ہوتے ہیں جو فصل کو بیماریوں سے بچاتے ہیں اور فصل کو غذائیت فراہم کرتے ہیں کمپوسٹ کے استعمال سے ان اجزاء کی تعداد بڑھے گی اگر ہم نامیاتی کھاد استعمال کریں تو کیچوے بھی پیدا ہوتے ہیں لیکن جو بالکل خالی زمین ہوگی وہاں پہ یہ نہیں ہوں گے۔ کیچوے زمین میں بڑھک کرتے ہیں اور زمین کی زرخیزی کو بڑھاتے ہیں قدرتی کھاد زمین کی بیماریوں کو کم کرتی ہے اس کی قوتِ مدافعت بڑھاتی ہے۔

اگر ہم نامیاتی کھاد استعمال کریں تو ہمیں اپنی فصلوں پہ کیڑوں کے حملے سے بچاؤ کے لئے Pesticide اور ادویات استعمال کرنے کی ضرورت کم پڑے گی۔ کھاد کے استعمال سے زمین کے کٹاؤ کو روکا جاسکتا ہے جب آندھی آتی ہے تو مٹی اڑ جاتی ہے جس سے زمین کا کٹاؤ ہو جاتا ہے۔ مظفر گڑھ ایک ریتلا علاقہ ہے وہاں پر جب یہ عمل ہوتا ہے تو مٹی کٹ کے اگلے کھیتوں میں چلی جاتی ہے زمین لیول میں نہیں رہتی۔ زرخیز زمین مزید ٹوٹ جاتی ہے اور زمین بنجر ہو جاتی ہے۔ تھر کا صحرائی علاقے یا خطہ پوٹھوہار کے پہاڑی علاقوں میں بھی زمین سرک جاتی ہے مٹی دریا بہا کے لے جاتا ہے۔ جس سے زمین کمزور ہو جاتی ہے ایسے علاقوں میں دیسی کھاد کے ذریعے اس عمل کو کم کیا جاسکتا ہے۔

کوڑے سے آلودگی بڑھ جاتی ہے۔ آلودگی ہوا، زمین اور پانی میں پیدا ہو رہی ہے تو اُسکو روکنے کا بھی طریقہ ہے کہ ہم اپنے کوڑے کا بہترین استعمال کریں۔ اکثر شہروں میں سے کوئی نالہ یا نہر گزر رہی ہو تو لوگ اس میں کوڑا پھینکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھلی نالیوں یا گٹر والا جو سسٹم ہے اس کا اگر ڈھکن کھلا ہو تو اس میں پھینکتے ہیں یہ سارے منفی طریقے ہیں۔ یعنی اپنی جان چھڑا کے باقی لوگوں کے لیے مسائل پیدا کرتے ہیں اگر نکاسی کا نظام بند ہو جائے تو تمام شہریوں کیلئے مسئلہ ہو گا۔ قدرتی کھاد کا استعمال ان سارے مسائل اور آلودگی وغیرہ سے شہریوں کو محفوظ رکھتا ہے۔

اسکے علاوہ چند مسائل بھی آتے ہیں۔ جب ہم کھاد بناتے ہیں تو کوالٹی کا مسئلہ آتا

ہے جب پراڈکٹ تیار ہو جاتی ہے۔تو اس کو فروخت بھی کرنا ہوتا ہے۔ اگر زمیندار چھوٹی سطح پہ ڈھیر وغیرہ لگا کے کھاد تیار کریں تو وہ اس کے ذاتی استعمال کے لئے ٹھیک ہے سبزی یا فصل وغیرہ تو اُ گا سکتا ہے لیکن اگر اسے کھاد بازار میں بیچنی ہے تو اس کا معیار بہت اعلی ہونا چاہیے تب ہی اس کی قیمت زیادہ ملے گی۔اس میں مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں تیزابیت زیادہ ہوتی ہے۔کھاد کے معیار کے حوالے سے جو مسئلہ درپیش ہوتا ہے تیزابیت زیادہ اور نائٹروجن اور دیگر غذائی اجزاء کا تناسب بھی کم ہوسکتا ہے ان سب کو سائنسی طریقے سے درست کیا جاسکتا ہے۔اگر آپ کسی اہم شہر میں پلانٹ لگا کے کھاد تیار کر رہے ہیں تو آپ لوگوں کو بتائیں گے کہ یہ ایک معیاری کھاد ہے تب وہ زیادہ فروحت ہوگی ورنہ وہ بیکار ہوگی تو آپ کا خریدار اگر ایک بار مایوس ہوا تو دوبارہ نہیں خریدے گا۔ جب بھی آپ کا ارادہ کھاد تیار کرنے کا ہو تو کوشش کریں اس کو جدید اور سائنسی طریقے سے تیار کیا جائے تا کہ اس کی کوالٹی بہتر سے بہتر ہو۔اس کو بازار یا کسانوں کو فروخت کیا جاسکے۔کھاد کو صحت کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر بنایا جائے ایسا نہ ہو کہ جہاں پہ کھاد بن رہی ہے وہاں سے بدبو آ رہی ہو یا مکھیاں ہوں کیونکہ جہاں آپ کوڑے سے کھاد بناتے ہیں وہاں کسی قسم کا مسئلہ پیدا نہ ہونے دیں۔تو ان چیزوں سے نپٹنے کا طریقہ کار یہ ہے کہ کھاد بالکل صاف طریقے سے بنائی جائے تا کہ اس سے اردگرد کے ماحول کو کوئی نقصان نہ ہو 94 فیصد تجارتی مقاصد کی غرض سے زراعت پر انحصار کرنے والے لوگ جو کھاد استعمال کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کھاد اعلیٰ کوالٹی کی ہو۔ یونیفارم طریقے سے اس کے اندر مرکبات ہوں اور جدید سائنسی طریقے سے ہر چیز درست تناسب میں بنائی گئی ہو۔جیسے یہ بنا ہوا کیمیائی کھاد کا بیگ یا یوریا کا بیگ ملتا ہے اس پر لکھا ہوتا ہے کہ جی %46 نائٹروجن یہ کھاد پر بھی لگا ہوتا ہے کہ فاسفورس 18 سے %46 ہے اسی طرح نامیاتی کھاد کا بھی معیار ہونا چاہیے وہ اس طرح کی بننی چاہیے کہ اس کے معیار اور افادیت میں فرق نہ ہو معیار ہمیشہ ایک جیسا ہو اُس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو کھاد کے معیار کو جانچنے کے عمل کے دوران درست جگہ کا انتخاب کریں، درست نمونہ اور صحیح وقت پہ اس کو لیبارٹری تک پہنچانا اور ہر کھیپ کی جانچ کرنا ضروری ہوتا ہے تب ہی اس کے نتائج درست

موصول ہوں گے اور درست نتائج کو کھا د کے بیگ پہ لیبل کے طور پر لگانا چاہیے۔اور زمیندار کو جیسے یہ دوائیوں کی بوتل کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ ایک چھوٹی سی پرچی ہوتی ہے تو اس پہ ساری اس کی Discription دی ہوتی ہے استعمال کا طریقہ دیا ہوتا ہے تو compost بھی ایک پراڈکٹ بنے گی جس کے لیے یہ ساری چیزیں کرنی پڑیں گی۔ بنیادی اقدامات سے معیاری compost تیار ہوگئی ہے اس کو مارکیٹ کرنا ہے تو اور معیار کو برقرار رکھنا ہے۔

معیاری کمپوسٹ بنانے کیلئے درج ذیل ہیں اقدامات ضروری ہیں:

- اعداد و شمار جمع کرنا۔
- معیار کو جانچنے کے لیے ایک منصوبہ۔
- با قاعدہ سے نمونے حاصل کرنا۔
- نمونے رکھنے کے لیے جگہ بنانا اور انھیں ساتھ لے جانے کے لیے انتظام کرنا۔
- تحقیق کے لیے ریکارڈ بنانا۔
- اعداد و شمار کو سنبھالنا۔

عوام میں صحت کے حوالے سے کام کرنے والے اداروں اور عام روایتی زرعی تنظیموں میں بھی ماحولیات سے متعلق شعور بڑھ گیا ہے اس بات کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔

☆☆☆

لیکچر نمبر ۵

# کوڑے کے منفی اثرات

ڈاکٹر ذیشان

ڈاکٹر ذیشان NUST یونیورسٹی کے ڈیپارٹمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف انوائرمینٹل سائنسز اینڈ انجینئرنگ میں پروفیسر ہیں۔اس سے قبل وہ دو سال تک قائداعظم یونیورسٹی میں بھی پڑھا چکے ہیں۔انھوں نے ایشین انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی تھائی لینڈ سے سالڈ ویسٹ مینجمنٹ میں پی ایچ ڈی کی ہے۔انکی خاص دلچسپی کوڑے کو بائیوگیس میں تبدیل کرنا تھی جس میں تحقیق بھی کی اور کامیاب ہوئے۔کوڑے کے منفی اثرات کیا ہیں اور یہ کس طرح ہمارے ماحول پہ اور صحت پہ اثر انداز ہوتے ہیں۔اس پر ان کا لیکچر ہے۔

پاکستان کی کروڑوں عوام لاکھوں ٹن کوڑا روزانہ پیدا کر رہے ہیں۔جس کا زیادہ تر حصہ کھلے عام پھینک دیا جاتا ہے۔کیونکہ ہمارے ملک میں کوئی باقاعدہ لینڈفل سائیٹس نہیں ہے۔یعنی جو انجینئرڈ لینڈفل ہو۔ہمارے ہاں صرف ڈمپ سائیٹس ہیں۔جہاں پہ کوڑے کو پھینک دیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ اکثر اوقات تو اسے آگ بھی لگا دی جاتی ہے۔باقاعدہ سے کوڑے کو ٹھکانے لگانے کا کوئی انتظام و انصرام نہیں کیا جا رہا اور نہ ہی مناسب طریقے سے تلف کیا جاتا ہے۔جس وجہ سے کافی منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔اصل میں ہمارے ہاں کوڑے کا پچاس تا ستر فیصد حصہ نامیاتی ہوتا ہے۔اس کچرے کی غیر مناسب نقل و حمل کی وجہ سے ہمارے ماحول اور صحت پہ منفی اثرات ہوتے ہیں۔کیونکہ نامیاتی کوڑے کو غیر مناسب طریقے یا باوقت ٹھکانے نہ لگانے کی وجہ سے اس سے خطرناک گیسیں نکلتی ہیں۔اس کوڑے کو جس زمین پہ پھینکا جاتا ہے اس کی مٹی بھی

خراب ہوجاتی ہے اوراس کی زرخیزی بھی کم ہوجاتی ہے۔اس زمین پہ کچھ اگایا جائے تو وہ بھی مضرصحت ہوتا ہے۔

کوڑے کو جلانے سے ہمارے ماحول پہ براہ راست خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔خطرناک گیسیں جیسے کاربن ڈائی آکسائیڈ .نائیٹروجن.سلفر اور دو بہت خطرناک گیسیں شودانزاورڈائی آکسائیڈکا بھی باعث بنتا ہے۔

ان کی وجہ سے عالمی سطح پہ حدت اور درجہ حرارت میں بھی آہستہ آہستہ اضافہ ہورہا ہے۔کیونکہ ان گیسوں کی وجہ سے سورج سے آنے والی شعاعوں کوزمین سے ٹکرا کے کے واپس نہیں مڑپاتیں جس وجہ سے زمین کے درجہ حرارت میں روز بہ روز اضافہ ہورہا ہے۔جس وجہ سے پوری دنیا کا درجہ حرات مجموی طور پہ بڑھ رہا ہے۔اوراس سے موسمیاتی

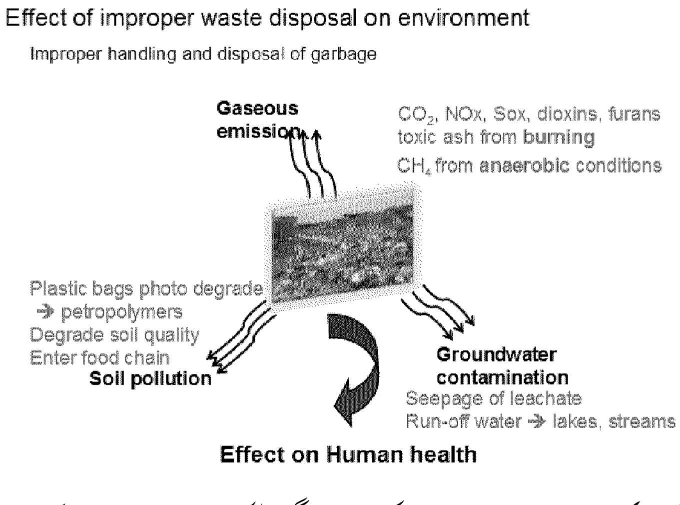


تبدیلیاں بھی رونما ہورہی ہیں۔جس کی ایک وجہ گھریلو کوڑے میں پلاسٹک بیگ کا شامل ہوجانا بھی ہے۔سورج کی شعاعوں سے ان پلاسٹک بیگ کی توڑ پھوڑ کاعمل شروع ہوجاتا ہے۔کیونکہ پلاسٹک بیگ خاص قسم کے میٹریل پولی مر سے بنتے ہیں۔جب ان کی توڑ پھوڑ کاعمل شروع ہوتا ہے تو وہ واپس اسی مالکیولز میں تبدیل ہوجاتا ہے جس سے وہ بنا ہوتا ہے۔یہ کافی عرصہ تک زندہ رہتا ہے۔اور ماحول پہ منفی اثرات ڈالتا رہتا ہے۔یہ زہر قاتل

بھی ہم انسانوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے تیار کیا ہے۔

قدرت نے ایسی کوئی خطرناک چیز نہیں بنائی۔ پلاسٹک بیگ کی توڑ پھوڑ اور خطرناک مالکیولز کے پیدا ہونے کی وجہ سے ہمارا دوسرا کوڑا بھی بھی جو ماحول دوست ہوتا ہے وہ بھی اس میں شامل ہو کے خراب ہو جاتا ہے۔ یہ کوڑا بھی خطرناک بن جاتا ہے اور ہماری زمینوں کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات کوڑا کھلے عام زمینوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔اس وجہ سے عام کوڑے میں پیدا ہونے والے سادہ ذرات بھی ذہریلے ذرات میں تبدیل ہو کے زمین کی آلودگی کا باعث بن جاتے ہیں۔ پھر اس زمین میں نہ تو کچھ کاشت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تعمیرات کی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ اس جگہ پہ زیرزمین خطرناک گیسیں پیدا ہو جاتی ہیں جو بعد میں اکثر خارج ہوتی رہتی ہیں۔اس کے علاوہ زیرزمین پانی بھی آلودہ ہو جاتا ہے۔ زمین کے اوپر والا کھلا کچرا بھی بارش کی وجہ سے آہستہ آہستہ بہہ کر ہمارے دریاؤں اور ندی نالوں میں شامل ہو کے صاف پانی کو بھی آلودہ کر دیتا ہے۔ پانی گندہ ہونے کے علاوہ پانی کے بہاؤ میں بھی رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے ندی نالوں اور دریاوں میں طغیانی اور سیلاب بھی آجاتے ہیں۔ کُوڑا پھینکنے والی جگہ سے نکلنے والی میتھین گیس کو آگ لگنے کا خدشہ بھی رہتا ہے۔ اس کے علاوہ کوڑا زیرِ زمین پانی کو ری چارج کرنے والے زرائع کو بھی آلودہ کر دیتا ہے۔

جب ہم کُوڑا کھلے عام پھینک دیتے ہیں اور گل سڑ رہا ہوتا ہے تو وہ اپنی بدبُو سے مختلف جانوروں اور کیڑے مکڑوں کو بھی اپنی طرف راغب کر لیتا ہے۔ جب وہ اسے کھاتے ہیں تو ان کے جسم کے ساتھ اس کے کچھ اجزاء اور ذرات رہ جاتے ہیں جسے وہ جہاں جہاں جاتے ہیں اپنے ساتھ لے جاتے ہے۔ جگہ جگہ بیماریاں اور گندگی پھیلاتے ہیں۔ان میں خطرناک بیماریوں کے جراثیم بھی ہو سکتے ہیں۔

کوڑے کو کھلے عام پھینکنے کا ایک نقصان یہ بھی ہے اکثر ہمارے ہاں کچرا چُننے والے افراد اسمیں سے کھانے پینے کی اشیا بھی نکال کے کھا لیتے ہیں یا دیگر اشیا کو بھی نکال کے استعمال کر لیتے ہیں کیونکہ غربت کی وجہ سے انکی نئی چیزیں پھل سبزیاں خریدنے کی

سکت نہیں ہوتی۔وہ چیزیں اکثر خراب یا ایکسپائر ہوئی ہوتی ہیں۔جن میں ادویات بھی ہوتی ہیں۔انکے استعمال سے وہ خطرناک اور جان لیوا بیماریوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔

غیر مناسب انتظام کی وجہ سے اکثر کُوڑا اٹھانے والوں کو زخم بھی لگ جاتے ہیں۔کیونکہ کچرے میں شیشہ اور دوسری تیز دھات والی ٹوٹی ہوئی چیزوں کے ٹکڑے موجود ہوتے ہیں۔فوری طور پہ علاج یا مرہم پٹی نہ ہونے کی وجہ سے کُوڑے میں موجود جراثیم زخم کے زریعے ان کے جسم میں داخل ہوکے ان کی جان لینے کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔یا اکثر ان کی جسمانی معزوری کا بھی زریعہ بھی بن جاتے ہیں۔

کُوڑا اٹھانے والوں کے علاوہ عام طور پہ روڈ پہ حادثات کا شکار ہونے افراد کو بھی نقصان پہنچانے کا باعث بنتا ہے۔کیونکہ روڈ پہ موجود جانوروں کے فضلے میں بھی خطرناک بیماریوں کے وائرس پائے جاتے ہیں۔اسی وجہ سے زخمی ہونے والے متاثرہ شخص کو فوراً ٹیٹنس کا ٹیکہ لگا دیا جاتا ہے۔

کُوڑے کو آگ لگانے کی وجہ سے وہاں تیز آگ بھی بھڑک سکتی ہے جو اردگرد موجود دوسری چیزوں کو بھی اپنے لپیٹ میں لے سکتی ہے۔اور بڑے نقصان کا بھی باعث بن سکتی ہے۔

کوڑے کا کام کرنے والے افراد کو اکثر مختلف قسم کی وراثتی بیماریاں لگنے کا بھی خدشہ رہتا ہے۔اُن موروثی بیماریوں کی وجہ سے کینسر جیسے موزی اور جان لیوا امراض بھی لاحق ہوسکتا ہے۔جیسے دمہ سے پھیپھڑوں کا سرطان وغیرہ۔

اس کے علاوہ وبائی امراض بھی تیزی سے پھیل رہے ہیں جس کی ایک وجہ کچرے کا غیر مناسب انتظام و انصرام ہے۔خاص طور پہ ڈینگی ،ملیریا، ٹائیفائیڈ وغیرہ تو صرف مچھروں ، گندگی اور کُوڑا کرکٹ کو جگہ جگہ پھینکنے کی وجہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

براہ راست کچرا اُٹھانے والے اور اسے منتقل کرنے والے افراد کو خطرناک اور لمبا عرصہ چلنے والی بیماریاں جنہیں کرانک (ڈزیز) کہتے ہیں اکثر ہو جاتی ہیں۔جو لمبا عرصہ تک چلتی ہیں اور انکی جان لے کے ختم ہوتی ہیں۔یہ بیماریاں شروع میں کسی کو پتا نہیں چلنے دیتیں

مگر اندر ہی اندر سے متاثرہ شخص کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہیں۔اور اس شخص کو اس وقت پتا چلتا ہے جب اس کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔کچھ بیماریاں فوری طور پہ لاحق ہونے والی بھی ہوتی ہیں مگر وہ اس کا شکار کم ہی ہوتے ہیں۔

اکثر دیہی علاقوں میں جانور بھی کچرے کو اپنی خوراک سمجھ کے کھا لیتے ہیں جس میں موجود شاپنگ بیگ ان کے حلق اور معدہ میں جا کہ انکی موت کا باعث بن جاتے ہیں۔

کھُلے عام کُوڑا پھینکنے سے زیرِ زمین صورتِ حال بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔اس جگہ پہ آکسیجن کی کمی واقعہ ہو جاتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی زیادتی ہو جاتی ہے۔اس وجہ سے اکثر ڈمپنگ سائیٹس پر آگ پکڑنے اور جلنے والی گیسیں نکلتی رہتی ہیں اور وہاں آگ لگی ہوتی ہے اور دُھواں اُٹھ رہا ہوتا ہے۔اور وہ ماحول کی آلودگی کا باعث بن رہا ہوتا ہے۔

اکثر کُوڑا پھینکنے والی جگہ پہ نامیاتی کُوڑے سے نکلنے والے پانی (لیچڈ) اور کُوڑے پہ ہونے والی بارش سے بہہ جانے والا کچرا بھی عام اور صاف پانی میں شامل ہو کے بدبُو دار محلُول لیچڈ میں تبدیل ہو کے پانی کی آلودگی کا باعث بن جاتا ہے۔

اس کے علاوہ خشک کُوڑا، یا جسے جلایا گیا کچرا بھی اُڑ کے دھُول کی صُورت میں فضا میں شامل ہو کہ فضائی آلودگی میں اضافہ کرتا ہے۔

جن ممالک میں پینے کا صاف اور میٹھا پانی دستیاب نہیں ہوتا وہ سمندر کے پانی سے نمکیات نکال کے قابلِ استعمال بنایا جاتا ہے۔جیسے سعودی عرب کا زیادہ حصہ صحرا پہ مشتمل ہے۔وہاں اکثر علاقوں میں میٹھے پانی کے کنوئیں اور دریا نہیں ہیں۔وہ سمندر کے پانی کو صاف کر کے استعمال کیا جاتا ہے۔اس عمل کو ڈی سیلینیشن کا عمل کہتے ہیں۔اس عمل کے دوران جو فالتو پانی اور نمکیات رہ جاتے وہ بھی کُوڑے کی ایک قسم بن کے ماحول پہ اثر انداز ہوتا ہے۔

کُوڑے کو منتقل کرتے وقت بھی دھول اُڑتی ہے۔جو اسے منتقل کرنے والوں کے لئے خطرناک ہو سکتی ہے۔

کُوڑے سے زمین کی لینڈ فلنگ کرتے وقت اس پہ مٹی کی تہہ ڈالی جاتی ہے۔اس عمل کے دوران بھی نکلنے والی گرد و دھول نکل کے کام کرنے والوں وہ اردگرد کے ماحول کے لئے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

جلے ہوئے کُوڑے کی بچ جانے والی راکھ بھی ماحول کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔

اکثر اوقات تعمیرات کے دوران یا کارخانوں اور ملوں میں تیار ہونے والی مصنوعات کے استعمال اور بچ جانے والے خام مال سے بھی ہم کچرا پیدا کر کے ماحول پہ منفی اثرات ڈال رہے ہوتے ہیں۔

## کُوڑے کے منفی اثرات سے بچنے کی تجاویز:

ہمیں کُوڑے کی ٹھوس، مائع اور گیس قسموں اور ان کے منفی اثرات کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔اب ان سے بچنے کے طریقوں کے بارے میں بھی جاننا چاہیے۔

کُوڑے سے نکلنے والی ساری چیزیں خطرناک نہیں ہوتیں اگر انہیں بروقت اُٹھا کے مناسب طریقے سے تلف کر دیا جائے۔ بلکہ ۸۰ فیصد کُوڑا تو قابل استعمال اور کارآمد ہوتا ہے۔

- ☆ خطرناک اشیاء کو کچرے سے نکال کے انہیں الگ طریقے سے تلف کیا جانا چاہیے۔
- ☆ خطرناک اور کارآمد کچرے کو جانچنے کے لئیے تحقیق کی جانی چاہیے۔
- ☆ کچرا کہاں پہ پیدا ہو رہا ہے اس کا زرائع کیا ہیں یہ معلوم ہونا چاہیے۔
- ☆ کون سی قسم کا کچرا زیادہ پیدا ہو رہا ہے اور اس کو کیسے کارآمد بنا کے فائدہ حاصل کیا جائے یہ بھی پتا ہونا چاہیے۔
- ☆ کسی بھی قسم کا کُوڑا ہو اس کو کھلے عام نہ پھینکا جائے۔
- ☆ کُوڑے کو تلف بروقت کر دیں اس کو زیادہ وقت تک پڑا نہ رہنے دیں۔
- ☆ گھروں کی سطح سے کچرا اٹھانے اور اس کو مناسب طریقے سے تلف کرنے کا نظام بنایا جائے۔

## ○○○ محاصلِ کچرا ○○○

☆ خراب اور خطرناک کُوڑے کو نامیاتی کُوڑے میں شامل نہ کیا جائے۔

☆ کچرے کی کوالٹی یعنی اس کے معیار کو بھی سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔

☆ کچرے سے کارآمد اشیاء کو نکال کے آمدنی کا زریعہ بنایا جائے۔

☆ نامیاتی کچرے کے منفی اثرات اس وقت ہوتے ہیں جب اس کو غلط طریقے سے اور دیر سے تلف کیا جاتا ہے۔اس کو بھی بروقت اور درست طریقے سے استعمال کر کے متبادل توانائی یا قدرتی کھاد حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆ سبز یا نامیاتی کچرا جانوروں کی خوراک کے طور پہ بھی استعمال ہوسکتا ہے۔

سو فیصد کُوڑا بروقت اٹھایا جائے اور اس کو ادھر اُدھر نہ پھینکا جائے بلکہ اسے پراسیس کرنے کے لیئے با قاعدہ جگہیں بنائی جائیں۔ جہاں اس کو زیرو کرنے کا عمل ماحول پہ منفی اثرات ڈالے بغیر مکمل کیا جائے۔جیسے ایک مثال آئی آر آرسی والے کر رہے ہیں۔

☆ کُوڑے کو کھلی جگہوں، نکاسی آب کے نظام، آبپاشی کے نظام یعنی نہروں، ندی نالوں اور دریاوں میں ہرگز نہ پھینکا جائے۔

☆ حکومتی اداروں کے لیئے کُوڑا اُٹھانا اور اسے تلف کرنا مہنگا ترین عمل بنتا جا رہا ہے۔اخراجات کے ڈر سے وہ نہ اسے اُٹھاتے ہیں نہ ہی اس کو مناسب طریقے سے تلف کرتے ہیں لہذا عوام کو بھی اس نظام کو چلانے کے لیئے کچھ حصہ ڈالنا چاہیئے۔

☆ ٹیکنالوجی پہ انحصار کرنے کی بجائے ہاتھوں سے بھی کام کیا جائے۔

☆ کچرے کی پیداوار میں کمی کی جائے اور کوشش کی جائے کہ کم سے کم ڈسپوزایبل اشیاء پیکنگ والی اشیاء اور پلاسٹک بیگ کا استعمال نہ کیا جائے۔

☆☆☆

لیکچر نمبر ۶

# بنیادی سروے اور بزنس پلان

حمید اللہ

حمید اللہ سماجی کارکن ہے۔اور 1990 سے راولپنڈی کی غریب آبادیوں میں ترقیاتی کاموں کو آگے بڑھا رہے ہیں۔اُن کے تجربات میں کامیاب تجربہ گھریلوں کوڑے کو قابل استعمال بنانے کا ہے۔جس کو ملکی سطح پر نہ صرف پزیرائی ملی بلکہ اپنایا بھی گیا ہے۔وہ ہمہ وقت اس سوچ فکر میں رہتے ہیں کہ کم آمدنی والے علاقوں میں صفائی کے نظام کو کیسے بہتر بنایا جائے۔

کسی بھی کام کرنے کیلیئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے بنیادی سروے کیا جائے۔تاکہ معلوم ہوسکے کہ جو کام آپ شروع کررہے ہیں وہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بنیادی سروے میں لوگوں کی آبادی، سماجی حیثیت، کوڑے سے درپیش مشکلات، بیماریوں کا جائزہ، گھر کی سطح پر کوڑے کا انتظام وانصرام، اوراس کے بارے میں آگاہی کے سوالات پوچھے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ مسلسل 7 دن یعنی پیر سے اتوار تک ایک سو گھروں سے کچرا وصول کیا جاتا ہے اوراس کو الگ الگ کرکے جائزہ لیا جاتا ہے۔کہ کون سی چیز کس مقدار میں ہے۔جس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کس چیز کا پلانٹ لگ سکتا ہے۔

بعض اوقات لوگ یہ سب اندازوں سے کرتے ہیں۔جیسے ایک صاحب نے مردان کے بارے میں اندازہ لگایا کہ یہاں پر گرین ویسٹ نہیں ہوگا۔کیونکہ یہاں سب پٹھان ہیں اور پٹھان گوشت خور ہوتے ہیں۔لہذا یہاں IRRC نہیں بن سکتا ہے۔لیکن عملاً ایسا نہیں ہے۔مردان میں سب سے زیادہ سبزی اُگائی اور کھائی جاتی ہے۔اور سبزی

اگانے کے بہترین کسان اس ڈسٹرکٹ میں ہیں۔

اس کیلئے ہم نے ایک سروے فارم بنایا ہے۔ جولوگ سروے کرنا چاہتے ہیں۔وہ اس فارم کی مدد سے مسلسل سات دن تک سو گھروں سے کوڑا اکٹھا کریں۔اور روزانہ تول کر الگ الگ اندراج کریں ہفتے کے اخر میں جمع کریں۔تو نتائج مل جائیں گے۔اپنی اپنی نظر کی بات بھی ہوتی ہے۔ہمارے استاد فیاض باقر صاحب فرماتے ہیں۔کہ”ایک شخص افریقہ گیا اور واپس آکر اپنی کمپنی کو جواب دیا کہ یہاں جوتے نہیں فروخت ہو سکتے کیونکہ کوئی جوتے پہنتا نہیں ہے۔اس کمپنی نے دوسرے شخص کو بھیجا۔اس نے آکر بتایا کہ یہاں جوتے بہت فروخت ہونگیں کیونکہ کسی کے پاس جوتا نہیں“

ہمیں بھی لوگوں نے شروع میں کہا کہ یہ کام نہیں چلے گا۔فلاپ ہوگا۔لیکن بنیادی سروے سے ہماری اعتماد میں اضافہ ہوا اور ہمیں معلوم تھا کہ اس کام کو کیا جا سکتا ہے۔ تو جب ہم نے کام شروع کیا اس طرح کے نتائج برآمد ہوئے جسطرح بنیادی سروے میں رزلٹ آئے۔عموماً اگر آپ لوگوں سے کوڑے کی سروس کیلئے رقم مانگیں تو وہ غریب ہونے کا بہانہ کرتے ہیں۔ہم انہیں کہتے ہیں۔کہ جو غریب ہے وہ کچرا نہیں پیدا کرتا۔اور اگر کچرا پیدا کرتا ہے۔تو غریب نہیں ہے۔البتہ امیر اور غریب کے کچرے میں تھوڑا فرق ہوتا ہے۔تو بنیادی سروے میں اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے آپ کی سروس فیس کتنی ہونی چاہیئے۔اور اس سے آمدن کتنی ہوگی۔کچرے سے کتنی آمدن ہوگی۔اور کون سی چیز کتنے میں فروخت ہوگی۔اور اس کی مارکیٹ ویلیوں کیا ہے۔

یہ تمام اعداد وشمار بھی سروے سے معلوم ہونگیں۔کہ پانچ ہزار انسانوں کی آبادی میں کیا کچھ پیدا ہوگا۔اور اس سے کیا آمدنی ہوگی۔ہم لوگ سمجھانے کیلئے یا آمادہ کرنے کیلئے انہیں کہتے ہیں۔کہ وہ اپنی آمدن کا ایک فیصد کوڑے کو ٹھکانے لگانے پر خرچ کریں۔یعنی جو دس ہزار کماتا ہے وہ ایک سو روپے اور جو ایک لاکھ کماتا ہے وہ ایک ہزار روپے خرچ کرے عام طور پر ہم بنیادی سروے میں بچوں کیلئے استعمال ہونے والے پیمپرز کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔جو 25 روپے کا ایک ہے۔اور ایک بچہ دن میں دو یا تین استعمال کرتا ہے اسطرح

1500 سے دو ہزار تک ماہانہ خرچ ہوتے ہیں اب اس کو ٹھکانے لگانے کیلیئے سو روپے ماہانہ خرچ کرنے چاہئے ۔ یہ بات بھی آپ بنیادی سروے سے معلوم کر سکتے ہیں اور جسکی مدد سے لوگوں کو آمادہ کر سکتے ہیں اور پھر اس کو ٹھکانے لگانے کیلیئے پلاننگ کر سکتے ہیں ۔ ایک اور پہلو جو بنیادی سروے میں نمایا ہوتا ہے ۔ وہ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کوڑے کی وجہ سے کونسی بیماریاں پھیل رہی ہیں اور اس فی کس کتنے خرچ ہوا ہے۔ ہمارے سروے میں یہ بات سامنے آئی کہ کوڑے کی وجہ سے دو ماہ میں ایک بندہ بیمار ہوتا ہے۔ جس پر 1600 روپے اور تین سے سات دن ٹھیک ہونے میں لگ جاتے ہیں ۔ اسطرح بنیادی سروے کے نتائج جب لوگوں کو بتانے جائیں تو وہ آمادہ ہونگیں اپنا کوڑا ٹھکانے لگانے میں ۔ اور آپ کو سروس فیس ہنسی خوشی دیں اور کوڑا ابھی ادھر اُدھر نہیں پھیلا ئینگے ۔

شہروں کے ارد گرد اب سوسائٹیوں والے ہر چیز پلاننگ سے بناتے ہیں لیکن کچرے کے بارے میں یہ کچھ پلاننگ نہیں کرتے یہ مسجد ، پارک ، سکول اور گراونڈ کیلیئے جگہ مختص کرتے ہیں ۔ بلکہ اب تو STP یعنی سیوریج ٹریٹمنٹ پلانٹ کیلیئے بھی جگہ مختص کرتے ہیں ۔ لیکن گھریلوں کچرے تو ٹھکانے کیلیئے کوئی جگہ مختص نہیں کرتے دراصل لوگ اس مسئلے کو سنجیدہ نہیں لیتے ان کا خیال ہے کہ یہ حکومتی ادارے کریں گے یا لوگ خود کریں گے ۔ تو ان لوگوں کو بھی سروے کی مدد سے امادہ کیا جاسکتا ہے ۔ کہ آپ کے پلاٹوں کی ویلیو بڑھے گی ۔ اگر آپ IRRC لگائیں گے ۔ تو زیرو ویسٹ سوسائٹی کہلائیں گے ۔

اب آپ کے پاس تمام اعداد شمار آ گئے ۔ ان اعداد شمار کی مدد سے بزنس پلان بنائے ۔ بنیادی طور پر تین طرح طرح کی انکم IRRC سے ہوتی ہے ۔

1 :- سروس فیس سے آمدن

2 :- کباڑ سے آمدن

3 :- کھاد سے آمدن

اس وقت ہماری چوتھی طرح کی انکم گرین ویسٹ کو بطور بھیڑوں کے چارے کے فروخت سے ہو رہی ہے ۔ لیکن یہ ان دنوں ہوتی ہے ۔ جب گھاس ختم ہو جاتا ہے ۔ یعنی

نومبر دسمبر میں۔

اس کے علاوہ درج ذیل اخراجات ہوتے ہیں۔

1:-لیبر کا خرچ

2:- گاڑیوں کا خرچ

3:- منیجمنٹ کے اخراجات

4:- سیلز اور پیکینگ کے اخراجات

5:-یونیفارم،ماسک،اور بوٹ کے اخراجات

6:-یوٹیلٹی کے اخراجات

آمدن اور اخراجات کے گوشوارے مرتب کرنے چاہئے۔تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ سال بھر میں کیا کمائے گے۔اور کیا خرچ کریں گے۔اور منافع میں لیکر جائیں گے۔

ہم نے دوسو گھر کیلئے ایک ورکر اور چارسو گھروں کے لئے ایک گاڑی ڈیزائن کی ہے۔لیکن اخراجات پورے نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ پانچ سو گھروں کو سنبھال رہے ہیں۔اسطرح ہم نے اندازہ لگایا تھا کہ کباڑ سے ڈیڑھ لاکھ روپے ماہانہ آمدن آئے گی لیکن وہاں سے صرف 50 ہزار کی آمدن ہے۔باقی رقم کوڑے کی سیگری گیشن یعنی الگ الگ کرنے میں لگ جاتی ہے۔اب اسطرح ہمارا اندازہ درست نہیں نکلا۔تو نئے پلاننگ کرنے والے لوگ اس بات کا خاص خیال کریں کے وہ اندازے لگاتے وقت تمام پہلو کو مدنظر رکھیں تاکہ نقصان کے کم سے کم چانس ہو۔

بزنس پلان میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ روزانہ آنے والے کوڑے میں سبز کوڑا کی کیا مقدار ہوگی۔یہ بنیادی سروے سے حساب لگایا جاسکتا ہے۔ہمارے پاس روزانہ کی مقدار شروع میں دوٹن تھی ہم نے گارڈن ویسٹ بھی شامل کرلیا اس طرح ہمارے ویسٹ کی مقدار پوری ہوگئی۔

بعض شہروں میں گرین ویسٹ لوگ اپنے جانوروں کو کھلا دیتے ہیں۔جسطرح ہم نے چترال اور گلگت میں سروے کیا تو معلوم ہوا کہ یہاں سبز کوڑے کی مقدار بہت کم

ہے۔ جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ لوگ سبز کوڑا چارے کے طور پر جانوروں کو کھلا دیتے ہیں۔ اگر کسی کا اپنا جانور نہیں ہے۔ تو پڑوسیوں کے جانوروں کو روٹی اور سبز کوڑا دے دیتے ہیں۔ جسکے بدلے میں ان کو لسی مل جاتی ہے۔ اسطرح کراچی میں ہم نے دو آبادیوں کا سروے کیا تو وہاں بھی سبز کوڑا نہ ہونے کے برابر تھا جسکی وجہ یہاں کی کمیونٹی تھی جو دال چاول یا مچھلی زیادہ کھاتے ہیں۔

سروے کیلئے مناسب طریقہ ہے۔ کہ آپ اس شہر کی یونیورسٹی کے طلباء کو یہ کام سونپیں۔ تاکہ مناسب اور کوالٹی ورک بھی ہو جائے۔ اور دیگر ادارے بھی شامل ہو جائیں ہم نے F-17 کے 170 گھروں کا سروے کیا

| Data collection sheet of Solid Waste material | | | | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| Recording data for physical composition of waste Sector F-17 , 170 HH | | | | | | | | | | | | |
| Sr.# | Compositon | % | Actual Weight (in KG) | 800 | 485 | 420 | 570 | 460 | 650 | 3385 | Average/Day | % |
| | | | Descriptions | Mon | Tues | Wed | Thurs | Fri | Sat | Total weight | | |
| 1 | | | Date | 21-Mar | 22-Mar | 23-Mar | 24-Mar | 25-Mar | 26-Mar | | | |
| 2 | Organic | 65.76 | Vegetables/fruit | 418 | 235 | 280 | 405 | 290 | 510 | 2138 | 356.33 | 65.76 |
| 3 | Recyclables | 19.53 | Silver | 1.2 | 0.8 | 0.1 | 0.5 | 1.2 | 0.5 | 4.3 | 0.72 | 0.13 |
| 4 | | | Glass/Ceramics | 6 | 6.8 | 6.15 | 5 | 6.6 | 4 | 34.55 | 5.76 | 1.06 |
| 5 | | | Metals (Tin etc) | 2.55 | 0.6 | 0.3 | 5 | 0.75 | 1.7 | 10.9 | 1.82 | 0.34 |
| 6 | | | Plastic | 6.1 | 6.5 | 3.35 | 7.3 | 2.5 | 2.75 | 28.5 | 4.75 | 0.88 |
| 7 | | | Paper (newspaper) | 3.2 | 4.5 | | | | | 7.7 | 1.28 | 0.24 |
| 8 | | | Roti | 5.25 | 4.7 | 1.85 | 11.15 | 0.7 | 1.9 | 25.55 | 4.26 | 0.79 |
| 9 | | | Paper (Gatta) | 38.15 | 21 | 20.2 | 22.7 | 16 | 25 | 143.05 | 23.84 | 4.40 |
| 10 | | | Plastic Bottles | 2.8 | 3.15 | 2.2 | 5.65 | 2.6 | 4.35 | 20.75 | 3.46 | 0.64 |
| 11 | | | Shopping Bags | 78 | 42.5 | 22 | 34.3 | 15 | 18 | 209.8 | 34.97 | 6.45 |
| 12 | | | Tetrapack | 14 | 5 | 3.35 | 4.45 | 2.2 | 7.6 | 36.6 | 6.10 | 1.13 |
| 13 | | | Plastic (Black) | 4 | 0.7 | 0.9 | 2 | 4.65 | 1 | 13.25 | 2.21 | 0.41 |
| 14 | | | Cloth | 20 | 2 | 1.5 | 18.65 | 4.45 | 4.75 | 51.35 | 8.56 | 1.58 |
| 15 | | | Wooden | 2.6 | 35 | 5.5 | 1.6 | 2.95 | 1 | 48.65 | 8.11 | 1.50 |
| 16 | Reject waste | 14.72 | Mud & stone | 35 | 45 | 21.65 | 9.5 | 48 | | 159.15 | 26.53 | 4.89 |
| 17 | | | Pamper & Sanitary Bags | 142 | 45 | 50 | 31.75 | 23.85 | 26.75 | 319.35 | 53.23 | 9.82 |
| **Net Weight After segregation** | | | | **778.85** | **458.25** | **419.05** | **564.55** | **428.7** | **430.6** | 3251.45 | **541.91** | **100.00** |

اس سے آپ کو مختلف اشیاء کی پیداوار کا اندازہ ہوگا۔ کچھ چیزیں ایک دن ہیں باقی دن نہیں ہیں۔ جیسے ردی، اخبار شائد کسی نے ایک دن صفائی کے دوران نکال دی ہو۔

اب میں آتا ہوں بزنس پلان کی طرف۔ بزنس پلان کی بہت ساری باتیں پہلے ہو چکی ہیں۔ کہ آپ آمدن اور اخراجات کیا ہونگیں۔ لیکن اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ اگر اس دوران ایسا لگے کہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ تو اپنے پلان کو زیرِ غور لائیں۔ اور اب اخراجات کو کم کریں۔ جن کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ آمدن میں اضافے کی تدابیر پر غور کریں۔ ہم نے پانچ سال کیلئے بزنس پلان بنایا ہے اور تمام اخراجات کا جائزہ

لیا ہے۔ یہاں تک کہ استعمال ہونے والے پانی کا بھی حساب کتاب رکھیں اور پانی کے اخراجات کوکم کرنے کیلیئے بارش کے پانی کوسٹور کر کے استعمال کرتے ہیں۔اسطرح ورکروں کے کھانے کے گرم کرنے کیلیئے سلنڈر کے اخراجات بھی تخمینہ میں شامل ہیں۔ان تمام اقدامات سے آپ ایک کامیاب بزنس پلان بنا سکیں گے۔

لیکچر نمبر ۷

# عالمی تناظر

## سمیرا گل

سمیرا گل ڈاکٹر اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ کی پروگرام منیجر ہے۔ انہوں نے کچرے کے مسائل کو سمجھنے کے لئے 15 مما لک کا دورہ کیا اور وہاں کے کامیاب ماڈل پاکستان میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ ملکی سطح پر مختلف اداروں اور تنظیموں کی مدد سے صفائی کے نظام کو بہتر بنانے کیلئے سرکردہ ہیں۔ سماجی خدمات کے صلے میں ان کو صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ وہ متعدد کتابوں کی مصنفہ بھی ہیں۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ کوڑا کرکٹ کو تلف کرنے کا مناسب انتظام و انصرام صرف غریب مما لک کا مسئلہ ہے۔ یہ خیال درست نہیں ہے۔ اب یہ صرف ایک گھر گلی یا محلّہ کی سطح کا مسئلہ بھی نہ ہے۔ مقامی سطح پہ منتخب نمائندوں کے خیال میں یونین کونسل یا ضلع و تحصیل کی سطح پہ کچرے کو ٹھکانے لگانا مشکل کام ہے۔ ضلعی انتظامیہ کے خیال میں میونسل کارپوریشن کے افسران کو کچرے کے تلف کرنے کا ذمہ دار ہونا چاہئے۔ جبکہ صوبائی سربراہان وزرائے اعلیٰ اپنے صوبوں میں کچرے کو ٹھکانے لگانے کیلئے ہر وقت پریشان نظر آتے ہیں۔ وہ ڈینگی اور کئی دوسرے موزی امراض کا موجب بھی کچرے کو قرار دیتے ہیں اصل میں اب کوڑا کرکٹ کی تلفی کا مناسب نظام ایک مقامی یا ملکی مسئلہ نہیں رہا بلکہ بین القوامی مسئلہ بن چکا ہے۔ پوری دنیا کو اس کے حوالے سے مسائل درپیش ہے۔ مگر ترقی یافتہ مما لک ان مسائل پہ قابو پانے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے۔ جبکہ ہم دنیا کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں۔ کئی ترقی پذیر مما لک بھی ہم سے اچھا انتظام چلا رہے ہیں۔ اور اپنے کچرے کو کارآمد بنا کے وسائل کما رہے ہیں۔

جب ہم کچرے کے عالمی تناظر کا جائزہ لیں تو کچرے کے انتظام کے حوالے سے چند بنیادی سوال اُٹھتے ہیں۔ کچرا کیا ہے۔؟ اس کا تعلق کس چیز سے ہے یعنی کچرا پیدا کون کرتا ہے؟ جس کا جواب ہے۔ کچرا انسان پیدا کرتے ہیں۔اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ کون سے طبقے اور کون سے علاقے کے لوگ کچرا زیادہ پیدا کرتے ہیں۔ وہ لوگ جن کے پاس وسائل زیادہ ہوں گے۔ وہی کچرا زیادہ پیدا کریں گے۔ جن کی قوتِ خرید زیادہ ہوتی ہے۔ وہ پیک شدہ اور ڈسپوزیبل اشیاء زیادہ خریدتے ہیں ۔اسکے علاوہ شہری علاقوں میں رہنے والے لوگ جدید طرز زندگی کو اپنانے کی وجہ سے کچرے کی مقدار بڑھانے میں زیادہ حصہ ڈالتے ہیں۔

دنیا کی آبادی کے حوالے سے اگر 1950 سے 2050 کے گراف کا جائزہ لیں تو ہمیں پتا چلتا ہے۔ کہ 1950 میں دنیا کی آبادی صرف اڑھائی بلین تھی۔ جو بڑھ کے اگلے 10 سال میں 3 بلین ہوگئی۔ 1970 میں ساڑھے تین بلین جبکہ 1980 میں ساڑھے چار بلین کو کراس کرگئی جس میں آنے والے سالوں میں تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔اور

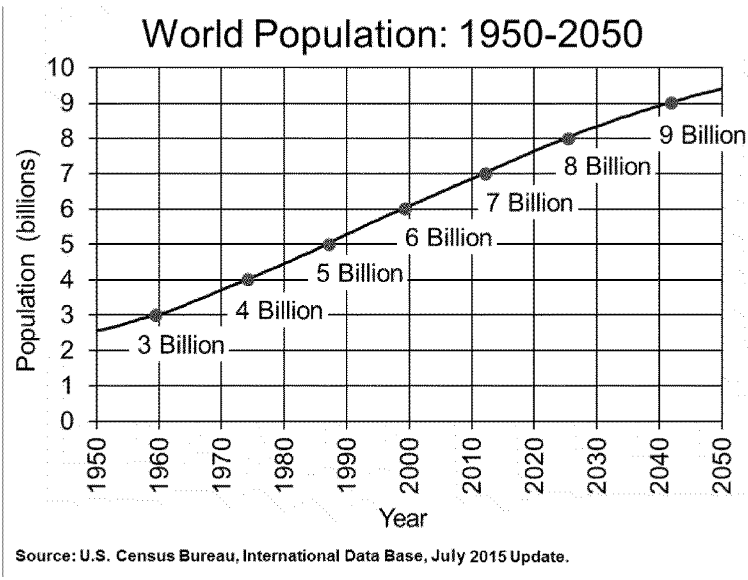

Source: U.S. Census Bureau, International Data Base, July 2015 Update.

اندازہ لگا گیا ہے۔ کہ 2050 میں دنیا کی مجموعی آبادی 9 بلین ہونے کا امکان ہے۔

اسی طرح اگر ہم شہری اور دیہی آبادی کا تناسب والا گراف جو 1970 سے 2020 تک اعداد و شمار کا جائزہ پیش کر رہا ہے۔اسے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے ۔کہ 1970 کی دہائی میں 65 فیصد سے زائد لوگ دیہی علاقوں میں رہائش پزیر تھے۔اور کہا جاتا تھا کہ 70 فیصد آبادی دیہی ہے۔دیہی لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت یا دوسرے دیہی پیشوں سے وابستہ تھا۔صرف 35 فیصد لوگ شہروں میں بستے تھے۔مگر 2001 تک گاؤں سے شہروں کی طرف تیز ترین ہجرت کی وجہ سے 50 فیصد لوگ دیہی علاقوں میں رہ گئے۔ اور توقع کی جارہی ہے۔2020 میں شہری آبادی کا تناسب دگنا یا الٹ ہو جائے گا۔یعنی دیہی علاقوں کی آبادی صرف 40 فیصد اور شہری آبادی 60 فیصد ہو جائے گی۔

جس کی دو وجوہات ہیں۔ایک تو دیہی آبادی کی شہروں کی طرف تیزی ترین ہجرت اور دوسرے گاؤں کا تیزی سے شہروں میں تبدیل ہونا ہیں۔اس کے علاوہ شہر بھی تیزی سے پھیل رہے ہیں۔جہاں سے سڑک گزر جائے اس کے ارد گرد کے علاقے شہروں کا حصہ بن جاتے ہیں۔جب کسی شہر میں لوگوں کے رہنے کیلئے جگہ باقی نہ رہے یا وہ شہر گنجان آباد ہو جائے تو لوگ شہر کے گرد و نواح کے دیہی علاقوں میں منتقل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جس سے وہ علاقے بھی آہستہ آہستہ شہر کا حصہ بن جاتے ہیں۔اور شہری انتظامیہ کو انہیں بنیادی سہولیات دینا پڑتی ہے۔اوران علاقوں کے لوگوں کا طرز زندگی بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔جو شہر کا حصہ بن جاتے ہیں۔جس سے کچرے کی مقدار و پیداوار میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔جو لوگ کبھی دیسی اشیاء کا استعمال کرتے تھے۔وہ اب مصنوعی اور پیک شدہ اشیاء ڈسپوزبل اشیاء کے استعمال کو ترجیح دینا شروع کر دیتے ہیں۔

دنیا میں کچرے سے کیا مراد ہے؟ یا کچرا کیا ہوتا ہے؟اس حوالے سے کہا جاتا ہے۔کہ جو چیز ایک فرد کیلئے قابل استعمال نہ رہے یا اسکی مخصوص وقت میں مخصوص جگہ پر کسی کو ضرورت نہ ہو۔وہ اس کے لئے کچرا بن جاتی ہے۔کیونکہ وہ اس کے لئے فالتو ہوتی ہے۔چاہے وہ بے کار نہ ہو کار آمد ہی کیوں نہ ہو۔یہ دنیا کی بات ہے۔جبکہ پاکستان میں ایسی کوئی تعریف نہ ہے۔ہمارے ہاں کوئی چیز جب تک کار آمد رہے۔وہ قابل استعمال رہتی

ہے۔اسے کچرا نہیں کہہ سکتے بلکہ اسے بار بار استعمال بھی کیا جاتا ہے۔چاہے وہ پرانی اور پہلے سے استعمال شدہ ہی کیوں نہ ہو۔

عالمی صورتحال یہ ہے کہ ترقی یافتہ مما لک زیادہ پیک شدہ اور تلف ہونے والی اشیاء کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔ اور تیز ترین سائنسی ایجادات ، ماڈلز اور برانڈز کی تبدیلیوں کی وجہ سے بھی لوگ زیادہ کچرا پیدا کر رہے ہیں۔عام اشیاء کے علاوہ الیکٹرانک اور مشنری تک بھی کچرے میں پھینک دی جاتی ہے۔

عالمی سطح پہ کچرے کی اقسام بھی مختلف ہیں۔جبکہ ہمارے ہاں صرف ایک قسم کا کچرا میونسپل ویسٹ سمجھا جاتا ہے۔چاہے گھروں سے نکلنے والا کچرا، عمارتی ملبہ، نالیوں یا سیوریج کا کچرا ہی کیوں نہ ہو۔حتیٰ کہ چھوٹے پیمانے پہ شہروں میں صنعتی اور طبی اداروں سے نکلنے والا خطرناک کچرا بھی اُٹھانا اور تلف کرنا میونسپلٹی کے ذمے آتا ہے۔اور سب مکس آتا ہے۔جبکہ دنیا میں میونسپل ویسٹ میں گھروں سے نکلنے والا کچرا گلی ،سڑک اور سیوریج سے نکلنے والا کچرا شامل ہوتا ہے۔میونسپل ویسٹ کے علاوہ دنیا میں کچرے کی دیگر اقسام ہیں۔وہ درج ذیل ہیں۔

**خطرناک کچرا**

یہ کچرے کی دوسری قسم ہوتی ہے جس میں ہسپتالوں سے نکلنے والا میڈیکل ویسٹ شیشہ کی اشیاء، صنعتی اداروں، کارخانوں اور ملوں سے نکلنے والا کچرا خطرناک کچرے میں شامل ہوتا ہے۔ جسے با قاعدہ الگ طریقے سے اٹھایا اور ٹھکانے لگایا جاتا ہے۔

**زرعی کچرا**

یہ کچرے کی تیسری قسم ہوتی ہے۔جس میں زراعت سے نکلنے والا کچرا شامل ہوتا ہے۔اور یہ بھی الگ طریقوں سے ٹھکانے لگایا جاتا ہے۔جبکہ ہمارے ملک میں زراعت سے نکلنے والی کچرے کی کوئی قسم نہیں ہے۔ ہر چیز دوبارہ استعمال ہو جاتی ہے۔جیسے گندم سے نکلنے والا بھوسہ جانوروں کے چارہ کے طور پر استعمال ہو جاتا ہے۔

## تعمیراتی یا عماراتی کچرا

تعمیراتی کچرے میں وہ ملبہ (مواد) شامل ہوتا ہے ۔ جو عمارتوں کی تعمیر و مرمت کرنے یا گرانے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک تیز ترین بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرتے اور گراتے رہتے ہیں۔ جس سے وہ اس کچر کی پیداوار میں اضافہ کرتے ہیں مگر اسے ٹھکانے لگانا اس کے پیدا کرنے والے کے ذمے ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں اس قسم کے کچرے کو بھی ٹھکانے لگانا میونسپلٹی کے ذمہ ہوتا ہے۔ اور اسے لینڈ فیلنگ یعنی زمین کی بھرائی کا کام لیا جاتا ہے۔ البتہ دنیا میں اس کچرے کو ٹھکانے لگانا اب ایک بڑا ایشو بنتا جا رہا ہے۔

## ای ویسٹ

اس کچرے میں الیکٹرانک یا اس سے بنی ہوئی اشیاء شامل ہوتی ہیں۔ جو بے کار ہو یا نہ ہوا نکے ماڈل تبدیل ہونے یا کسی بھی معمولی نقص کے بنا پر ترقی یافتہ ممالک ان اشیاء کا استعمال ترک کر کے اسے کچرے میں ڈال دیتے ہیں۔ بہت سے کمپیوٹر دوسری اشیاء جیسے فرج، TV جسمانی مشقتیں کرنے والی مشین، مائیکرو ویوزاون وغیرہ ترقی یافتہ ممالک کے ای ویسٹ میں آجاتے ہیں۔ اور تیز ترین ترقی کی دوڑ میں شامل ممالک بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی نت نئ ایجادات کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے پرانی اشاء میں لوگوں کی دلچسپی کم ہو رہی ہے۔ اور وہ انہیں کچرے میں پھینک رہے ہیں۔ یہ سارا کچرہ ہمارے ملک سمیت کئ ترقی پزیر ملکوں کی کباڑی مارکیٹوں میں بک رہا ہے۔ جہاں لوگ انہیں خرید کے کئ کئ سالوں تک استعمال کر رہے ہیں۔

کچرے کی اقسام کے علاوہ کچرے کی ہیت کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پہ کچرے کو تین حصوں میں بانٹا جاتا ہے۔

## نامیاتی کچرا:

نامیاتی کچرے میں گلنے سڑنے کی قدرتی طور پر خاصیت موجود ہوتی ہے۔ جیسے

پھلوں سبزیوں کے چھلکے درختوں کے پتے، گھاس، مٹی اور بچا ہوا کھانا وغیرہ جو کہ مختلف ممالک میں مختلف تناسب میں پیدا ہو رہا ہے۔

## غیر نامیاتی کچرا:

اس میں تمام بکنے والی اشیاء لوہا، کاغذ، شیشہ، پلاسٹک وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ کپڑا، لکڑی، شاپنگ بیگ اور بے شمار اشیاء جو خود سے گلتی سڑتی نہیں ہیں۔ نہ ہی بغیر پراسیس کئے تلف ہو سکتی ہیں۔انہیں باقاعدہ مخصوص درجہ حرارت پہ پگھلا کے مختلف رامٹیریل تیار کئے جا سکتے ہیں۔اور انہیں دوبارہ قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے۔اور اس سے دوبارہ نئ چیزیں بنائی جا سکتی ہیں۔

## فالتو یا بے کار کچرا:

یہ کچرے کی تیسری قسم ہوتی ہے۔جو نہ تو گل سڑ سکتا ہے۔اور نہ ہی ری سائیکل ہو سکتا ہے۔یہ فالتو کچرا ہوتا ہے۔جس میں بچوں کے ڈائپرز، پیمپرز اور سینٹری پیڈز وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ہمارے ہاں فالتو کچرے میں مٹی اور گھر کے صحن سے نکلنے والا دوسرا کچرا بھی شامل ہوتا ہے۔مگر عالمی سطح پہ کچرے کو الگ الگ کرنے کا جو نظام گھروں کی سطح پر بنایا جاتا ہے اس میں یہ چیزیں فالتو کچرے میں نہیں آتیں۔

## کچرے کی پیداوار انتظام

کچرے کی ہیئت کے بعد اس کی پیداوار کے حوالے سے سوال اٹھتا ہے۔تو اس کا مختصر سا جواب یہ ہے۔کہ جس کی جیب میں جتنی رقم ہوتی ہے۔اتنا ہی خرچ زیادہ کرتا ہے۔یعنی امیر ممالک اور ترقی یافتہ ممالک تیز ترین ترقی اور سائنسی ایجادات کی وجہ سے کچرے کی پیداوار زیادہ تو کر رہے ہیں۔مگر انہیں تلف کرنے کا اچھا انتظام نہیں کر پا رہے دنیا میں زیادہ کاربن ڈائی اکسائیڈ وہی ممالک زیادہ پیدا کر رہے ہیں۔جو زیادہ غیر نامیاتی کچرا پیدا کر رہے ہیں۔اس حوالے سے ایک تاثر ہے کہ امیر ممالک یا امیر لوگ کچرے کو اچھی طرح ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔یا انکا انتظام اچھی طرح سے کرنا جانتے ہیں یہ بلکل غلط ہے۔غریب ممالک ہوں یا دیہی

آبادی دونوں ایک تو غیر نامیاتی کچرا کم پیدا کرتے ہیں۔دوسرے اشیاء کو بار بار استعمال کر کے بھی کچرا کی مقدار کم پیدا کرتے ہیں۔زیادہ تر دیہی کمیونٹی والے اپنا کچرا جانوروں کی خوراک کے طور پر استعمال کر دیتے ہیں۔ان کا رہن سہن سادہ ہوتا ہے۔پیک اور ڈسپوزبل اشیاء کا استعمال کم یا بالکل نہیں کرتے۔یہ تو ہمارے دیہی اور شہری آبادی کا تناسب ہے اگر ہم عالمی سطح پہ دیکھیں کہ کون سا ملک یا خطہ کتنا کچرا پیدا کرتا ہے تو پتا چلتا ہے۔اس وقت دنیا کے بڑے شہر تقریباً 13 بیلین ٹن کچرا سالانہ پیدا کر رہے ہیں۔جو 2025ء تک بڑھ کے 2.2 بلین ٹن تک ہو جائے گا۔آج سے دس سال قبل 2.9 بلین آبادی میں فی کس کچرے کی پیداوار 0.64 کلوگرام تھی جب دس سال بعد آبادی 3 بلین ہوگئی تو فی کس کچرے کی پیداوار بڑھ کر 1.2 کلوگرام تک پہنچ گئی۔جب 2025ء میں آبادی 4.3 بلین ہو جانے اور فی کس کچرے کی پیداوار میں 1.42 کلو روزانہ ہو جائے گی اور سالانہ کچرے کی پیداوار 2.2 بلین ٹن تک پہنچ جائے گی۔

دنیا کی آبادی اس حساب سے نہیں بڑی خصوصاً ترقی یافتہ مما لک کی جس حساب سے فی کس کچرے کی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔آبادی کو تو منصوبہ بندی کر کے کنٹرول کر لیا گیا ہے۔مگر کچرے کی پیداوار میں روز بروز بڑھتا ہوا اضافہ کو کنٹرول نہیں کر پا رہے ہیں۔

## ترقی یافتہ مما لک میں کچرے کی پیداوار کا تناسب

ترقی یافتہ مما لک چاہے مغرب میں ہوں یا مشرق میں سب غیر نامیاتی کچرا زیادہ پیدا کر رہے ہیں۔ان مما لک میں نامیاتی کچرے کی پیداوار صرف 46 فیصد جب کہ 36 فیصد غیر نامیاتی اور 18 فیصد دیگر کچرا پیدا کر رہے ہیں۔

اگر ہم براعظم ایشیاء کے امیر اور غریب مما لک کا تجزیہ کریں۔تو تین طرح کے مما لک ہیں۔امیر مما لک،درمیانے درجے والے مما لک اور غریب یا کم آمدنی والے مما لک۔امیر مما لک میں چائنہ، جاپان، ساوتھ کوریا، تھائی لینڈ اور ترکی

شامل ہیں۔جبکہ درمیانے درجے والے مما لک میں پاکستان،انڈیا،سری لنکا، بنگلہ دیش ویت نام شامل ہیں۔

غریب مما لک میں۔نیپال،افغانستان شامل ہیں۔

ہم امیر اور غریب مما لک کا تجزیہ اس لئے بھی پیش کر رہے ہیں۔کیونکہ جس حساب سے آمدنی ہوتی ہے اسی حساب سے اخراجات اور کچرے کی پیداوار میں بھی اضافہ یا کمی ہوتی ہے امیر مما لک میں صنعتی انقلاب یا کارخانوں اور ملوں کے قیام سے کچرے کی پیداوار میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔وہاں بھی مغربی مما لک کی پیکینگ اور ڈسپوزبل اشیاء کا استعمال بڑھ گیا ہے۔

امیر مما لک 46 فیصد نامیاتی کچرا درمیانی آمدن والے 58 فیصد جبکہ غریب مما لک 78 فیصد نامیاتی کچرا پیدا کررہے ہیں۔

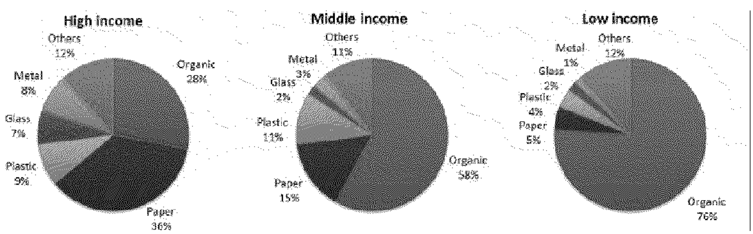


پاکستان اس وقت شامل تو درمیانی آمدن والے مما لک میں ہے مگر نامیاتی کچرے کی پیداوار میں غریب مما لک کی صف میں کھڑا ہوجاتا ہے جس کی ایک وجہ فی الحال تمام لوگوں کا غیر نامیاتی کچرا نہ پیدا کرنا ہے پیکینگ اشیاء اور ڈسپوزبل اشیاء کا کم استعمال اور دیگر اشیاء کا بار بار استعمال ہے۔عالمی سطح پہ مختلف مما لک میں نامیاتی اور غیر نامیاتی کچرے کا تناسب ہم اس لئے دیکھتے ہیں کیونکہ جس حساب سے غیر نامیاتی کچرے کی پیداوار ہوتی ہے۔اسی حوالے سے اسے تلف کرنے کیلئے انتظامات کرنا ہوتے ہیں اور اتنے ہی وسائل درکار ہوتے ہیں امیر مما لک یا ترقی یافتہ مما لک میں یورپین ملک بیلجیم کے انتظامات کو دیکھنے کا موقع ملا میونسپلٹی کے ادارے مختلف مقامات پہ مختلف دنوں میں

غیر نامیاتی کچرا الگ الگ اُٹھا کے لے جاتے ہیں۔غیر نامیاتی کچرے میں پرانا فرنیچر پرانا سامان جو تھوڑی بہت مرمت سے قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے۔وہ اسے مشینوں کے ذریعے Compect کر کے توڑ پھوڑ کے لوڈ کر کے لے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ بھی بہت سے ترقی یافتہ مما لک الیکٹرانکس کی اشیاء فرج و دوسری اشیاء کو بھی ری سائیکل ایبل ہوتی ہیں انہیں بڑے سطح پہ زیادہ درجہ حرارت پہ تلف کرنے جس سے وہ Heat میں اضافہ کر کے بجلی اور گیس حاصل کر رہے ہیں۔اس کے علاوہ اس عمل سے ماحولیاتی تبدیلیاں بھی ہو رہی ہیں اور منفی اثرات بھی مرتب ہو رہے ہیں نامیاتی کچرے کی مقدار کم پیدا کر رہے مگر انہیں اچھی طرح Manage کرتے ہیں۔ساؤتھ کوریا میں نامیاتی کچرے سے بجلی اور گیس پیدا کر رہے ہیں ایکو فرینڈلی ماڈل گاؤں بنائے گئے ہیں۔

کوڑا اکھٹا کرنے کے نظام کو چلانے کیلئے بھی ترقی یافتہ مما لک نے ایسا نظام بنایا ہے۔کہ جو لوگ کچرا پیدا کرنے والے ہیں وہ اس کو تلف کرنے کے اخراجات بھی برداشت کرتے ہیں اس کی دو مثالیں ہیں ایک یورپ جہاں پہ 240 یورو سالانہ فی شہری کچرے جو ٹھکانے لگانے کے میونسپل اداروں کو ادا کر رہے ہیں۔دوسرے ہر شہری اپنی فیملی سائز کے حساب سے جتنے اس کے خاندان کے افراد ہوتے ہیں فی کس کچرے کی پیداوار کا حساب لگا کے انہیں کچرے والی تھلیاں دی جاتی ہیں اور کم از کم 3 ممبران والی فیملی بھی 20 یورو 4 ماہ کے بیگ کیلئے ادا کر رہی ہے۔جو 60 یورو سالانہ بن گئے 240 روپے فیس بھی اگر اس میں شامل کر لیں تو 300 یورو یعنی پاکستانی تقریباً تیس ہزار سے زائد رقم فی گھر کوڑے کو ٹھکانے لگانے کیلئے ادا کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ وہ اپنے ملک میں آنے والے غیر ملکیوں سے بھی ویسٹ منیجمنٹ کی فیس وصول کرتے ہیں۔میرا ذاتی تجربہ آنٹ ورپ شہر بیلجیم کا ہے جہاں میں نے ہوٹل انتظامیہ کو 20 یورو اضافی کچرے کے انتظام کیلئے ادا کیئے۔کیونکہ میں یورپین شہری نہیں تھی مگر کچرا تو پیدا کر رہی تھی۔

اس کے علاوہ ساؤتھ کوریا میں بھی ایک ہاوسنگ سکیم کو دیکھنے کا موقع ملا ان کے

کچرے کے نظام کا اپنا طریقہ کار تھا ایک کھلی جگہ پہ چند ٹوکریاں رکھی گئی تھیں جن میں ری سائیکل ایبل الگ الگ ڈالے جا رہے تھے۔ کاغذ، ٹن، بوتلیں شیشہ اور الیکٹرانک الگ الگ خانوں میں موجود تھے۔

وہاں کے رہائشی خود اپنے گھروں سے غیر نامیاتی کچرے کو الگ الگ کر کے لاتے ہیں۔ جو جدید الیکٹرانک مشین رکھی ہوئی تھیں جو ایک ATM کی طرح چلتی تھیں۔ میونسپل ادارے سے ایک کارڈ بنایا جاتا ہے جس میں اس کارڈ کا مالک باقاعدہ رقم جمع کرواتا ہے۔ اور جب وہ اپنا نامیاتی کچرا اس مشین سے ٹچ کرتا ہے تو مشین کا دروازہ کھل جاتا ہے اس میں کچرا ڈالتے ہیں اور وہ مشین اس کے وزن کے حساب سے اس کارڈ سے پیسے کاٹ لیتی ہے۔ جب اس کارڈ میں رقم ختم ہو جائے تو وہ لوگ دوبارہ اس میں رقم جمع کروا لیتے ہیں۔ چاہے ایک ماہ میں ختم ہو یا ایک ہفتے میں یعنی جتنا کچرا پیدا کرتا ہے اتنا ادا کرتا ہے۔ مجھے کوریا کے ایک شہری سے معلوم ہوا کہ جہاں ایسا نظام نہیں ہوتا وہاں جو کار خانے دار اور پراڈکٹ بنانے والے ادارے ہوتے ہیں وہ فی پیس اس چیز کو ٹوٹنے یا خراب ہونے کے بعد تلف کرنے کے چارجز اس میں رکھتے ہیں۔ جو خریدار ادا کرتا ہے جیسے ہمارے ہاں GST خریدار ادا کرتا ہے اور اب تو انکم ٹیکس بھی صارفین سے وصول کیا جاتا ہے مگر کوریا میں کوئی بھی چیز جو صارفین خریدتے ہیں وہ ایک چھوٹی سی رقم اس کو تلف کرنے کیلئے بھی ادا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شیشے کا گلاس یا بوتل کی لاگت 10 روپے ہے تو وہ صارفین کو 11 روپے کی بیچتے ہیں 1 روپیہ فی گلاس صارف سے وصول کر کے میونسپل اداروں کو ادا کرتے ہیں جس سے وہ شہریوں کا کا کچرا ٹھکانے لگاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ماہانہ بھی سروس چارجز لیتے ہیں۔

باقی ایشیا کے کئی ممالک جن میں سری لنکا، نیپال، انڈونیشیاء، ویت نام، بنگلہ دیش، ساوتھ کوریا میں جانے کا اتفاق ہوا ان کے کچرے کے انتظامات دیکھے اس کے علاوہ کئی ترقی یافتہ ممالک کے ایئر پورٹس جیسے ترکی، چائنہ، تھائی لینڈ، قطر دبئی وغیرہ پہ بھی کچرے کے نظام کو دیکھنے کا موقع ملا ممالک چاہے امیر ہو یا غریب ترقی یافتہ ہوں یا ترقی

پذیرسب نے اپنے کچرے کوٹھکانے لگانے کیلئے کم از کم 3 رنگوں کی ٹوکریاں لگارکھی ہوتی ہیں 3 قسم کا کچراالگ الگ ڈالتے ہیں بنگلہ دیش جیساغریب ملک اورانڈونیشیا جیسا گنجان آبادملک اپنے کچرے کوالگ الگ کرتا ہے۔

ترقی یافتہ مغربی ممالک یا یورپین ممالک نے تو پھرری سائیکل ایبل کچرے کے لئے الگ الگ ٹوکریاں بنارکھیں ہیں۔ جب انہیں کچراالگ الگ ملتا ہےتو اسے تلف کرنے میں اوراٹھانے میں آسانی ہوتی ہے۔اوروہ اپنے وسائل اوروقت دونوں کو بچالیتے ہیں۔

تمام ممالک میں کچرے کوپھینکنے ،اکھٹا کرنے ،اسے اٹھانے اورتلف کرنے کے حوالے سے اصول وضوابط اور قوانین بھی موجود ہیں جو انہیں نہ مانتے انہیں جرمانے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ جتنے کی وہ چیز خریدتے ہیں اس سے زیادہ انہیں تلف کرنے کیلئے ادا کرنا پڑجاتے ہیں۔ ہمارے ہاں صرف موٹروے پر کچرا پھنکنے پہ جرمانہ ہوتا ہے۔اور کہیں بھی نہیں اپنا پاکستان ہے جہاں چاہے وہ گند ڈال دو۔شہریوں کے ساتھ ادارے بھی کھلے عام ندی ،نالوں، دریاؤں اور پہاڑوں کے دامن میں کچرا پھینک دیتے ہیں کوئی انہیں جرمانہ نہیں کرتا ہے۔

ہمارے انٹرنیشنل ائیر پورٹس بھی ہرقسم کے کچرے کیلئے ایک قسم کے ڈسٹ بین ( کچرے والی ٹوکری ) لگائی جاتی ہے۔اورسب کچرامکس اسمیں ڈالا جاتا ہے۔

البتہ اب ہمارے ہاں لوگوں نے گھروں میں کئی کئی ٹوکریاں رکھنی شروع کردی ہیں۔ باورچی خانہ،صحن کمروں اورغسل حانہ میں الگ الگ ٹوکری مگر کچرا پھر بھی سب میں مکس ملتا ہے۔سوائے پیمپر زاورسنیٹری پیڈ ز کے۔ مجھے انڈونیشیاء جا کہ معلوم ہوا وہاں پہ لگ بھگ 6000 چھوٹے بڑے جزیرے ہیں اور یہ دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے گنجان آباد ہونے کی وجہ سے غریب بھی بہت ہے۔مگر وہاں جا کہ بھی عام جگھوں پہ تفریح گاہوں ،بس سٹاپ اور ہسپتالوں میں بھی تین تین ٹوکریاں رکھی گئیں صرف کوئی پسماندہ جزیرہ ہوگا۔ جہاں لوگ کچرے کواچھی طرح سے نہ ٹھکانے لگا سکتے ہوں مگر وہاں بھی حکومت کی طرف سے شعوری تربیت کے پروگرام منعقد کرکے آگاہی دی جارہی ہے۔ ایشیا میں نہ

صرف امیر بلکہ غریب مما لک نہ کچرا تلف کرنے کے لیے نظام بنا رکھا ہے سوائے ہمارے ملک کے۔ یہ ضروری نہیں سب کے سب پاس جدید مشنری بلکہ اکثر تو ہماری طرح مینول کام کررہے ہیں۔ جیسے نیپال، بنگلہ دیش، ویت نام اور انڈیا بھی وہ اچھے سے اپنے کچرے کا انتظام کر لیتے ہیں مشینری کی کمی اب ہمارے ملک میں بھی نہیں ہے۔ کئی ویسٹ مینجمنٹ کمپنیا ں اپنے کاروباری مقاصد کے خاطر پنجاب کے چند بڑے شہروں میں بنائی گئی ہیں ان کے پاس روڈز کے لئے مکینیکل سویپر موجود ہیں حتیٰ کہ گلگت میں بھی 2012ء میں میونسپل کمیٹی کے پاس دو موجود تھے مگر روڈز کی حالت خراب ہونے کی وجہ سے روزانہ اس کا جھاڑو خراب ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے سٹور میں کھڑا کر رکھا ہے۔ اصل میں بین الاقوامی سطح پہ لوگ اب تہذیب یافتہ ہوگئے ہیں چاہے اپنے خوشی سے ہوئے ہوں یا انکے سخت قوانین کا کمال ہو مگر وہ اپنے کچرے کو بدتمیزی سے جگہ جگہ نہیں پھینکتے کہ کہیں انہیں جرمانہ نہ ہو جائیں۔

مگر ہمارے ہاں اُلٹ نظام ہے شہری ایک تو اپنے کچرے کے معاملے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتے نہ ہی کسی تہذیب کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کا جہاں جی چاہے وہ کچرا پھینک دیتا ہے۔ مگر دوسرے لمحے وہ کچرا اُٹھانے والے اداروں سے توقع کرتا ہے وہ اس اچھی طرح اٹھا کے لے جائیں اور تلف کرنے اور اٹھانے کیلئے بھی ان سے کوئی فیس یا اخراجات وصول نہ کریں یعنی وہ اپنا حق سمجھتے ہیں مفت میں کچرا اٹھا کے تلف کروانا۔

ترقی یافتہ مما لک میں روڈ پہ چلتی تیز رفتار گاڑیاں بھی اچانک پیدل چلنے والوں کیلئے آہستہ ہو کہ رک جاتی ہیں چاہے کوئی غلط وقت میں غلط جگہ سے ہی کیوں نہ روڈ کراس کررہا ہو۔ وہ کسی تہذیب کی وجہ سے نہیں رکھتے بلکہ اس بات سے ڈرتے ہیں اگر پیدل چلنے والے نے اپنی انشورنس کروائی ہوئی اور اس کچھ ہو گیا تو انہیں اس کی بھاری رقم ادا کرنا پڑ جائے گی۔

ہم نے ان مما لک سے انکی طرح کا لباس پہننا گاڑیاں اور موبائیل کے ساتھ جدید طریقہ خوراک پیکینگ شدہ اشیاء اور مشروبات کا کھانا تو سیکھ لیا مگر ان سے کچرے کو

ٹھکانے لگانے کے طریقے اوراس کا انتظام کرنے والے قوانین نہ نقل کر سکے۔ آج بھی ہمارے ہاں میونسپلٹی بے بس ہے کوئی کسی قسم کا ٹیکس صفائی کی مد میں نہ لگا سکی ہے۔

اسی طرح کسی بھی شہر میں جمع ہونے والے کچرے الگ الگ کر کے اس سے فائدہ اُٹھانے کا بھی کوئی نظام وضع نہیں کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی سطح پہ اگر کوئی شہری اپنے گھر کی سطح پہ کچرے کو مختلف حصّوں میں الگ الگ کر کے تھلیوں یا ڈبو نہیں رکھتا اسے باقاعدہ جرمانہ کیا جاتا اور پھر وہ اس کچرے کو بھی خود آخری مقام تک اپنی گاڑی میں پہنچا کے آتا ہے۔

کچرے کا انتظام (لینڈ فل ) دنیا میں بڑی سائنٹفیک لینڈ فل سائٹس بنائی جاتی ہیں۔ساؤتھ کوریا میں مجھے ایک لینڈ فل دیکھنے کا اتفاق ہوا ہم اپنے ملک کے عادی تھے کہیں بھی مستقل لینڈ فل جدید طریقوں پہ بنانے کا تصور ہی نہ ہے جہاں یہ عارضی طور پر کچرا پھینکا جاتا ہے۔وہاں دور سے 10 فٹ کے کوڑے کے پہاڑ دکھائی دینے لگتے ہیں جس پہ جیل کوّے مردار جانوروں کو کھانے آرہے تھے اور شاپر تو درختوں پر اُگے ہوئے لگتے تھے۔ بدبو بھی دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔

حتیٰ کہ ہمارے ملک کے درالخلافہ اسلام آباد میں بھی ابھی تک کوئی باقاعدہ لینڈ فل نہ بن سکی سب نئے بنے والے سیکٹرز میں کوڑا ڈمپ کر کے لینڈ کا عمل مکمل کیا جا رہا ہے اور بڑے بڑے ادارے جیسے Nust اور اسلامک یونیورسٹی بھی کوڑے کے ڈھیروں پہ بنے ہوئے ہیں اور ایسا عمل قانونی طریقے سے کہا جا رہا ہے۔مگر جب ہم کوریا کی لینڈ فل پہ پہنچے تو وہاں پہ دور تک کوڑا کچرا نام کی چیز نہ تھی ہمیں ایسے لگا یہ کوئی گراونڈ ( کھیل کا میدان ) جہاں تھوڑی دیر بعد کوئی کھیل شروع ہونے والے ہے۔ ہمارے سوال کرنے پہ بتایا گیا 95 فیصد کچرا یا تو توانائی حاصل کرنے کیلئے یا پھر کھاد بنانے کیلئے استعمال کر کے صرف باقی کچرے کی راکھ یہاں لا کہ ڈالی جاتی جس پہ مخصوص پلاسٹک شیٹ ڈال دیتے جس سے وہ ہوا میں نہیں اُڑتا۔اور نہ ہی اس سے کوئی بدبو وغیرہ نکل سکتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ مٹی میں مل کے ختم ہو جاتا ہے پھر شیٹ ہٹا کے مزید ڈال دیا جاتا ہے۔

عالمی سطح پہ کچرے کے منفی اثرات ایسا نہیں کہ عالمی سطح پہ کچرے کو جس طرح سے

ٹھکانے لگایا جارہاہے۔اس کے کوئی منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے اسکے بے شمار منفی اثرات ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں۔

i) غیر نامیاتی کچرے کی مقدار یا تناسب زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے جلانے یا تلف کرتے وقت جو عمل کیا جاتا ہے اس سے درجہ حرارت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ii) کاربن ڈائی آکسائیڈ زیادہ پیدا ہورہی ہے۔

iii) ماحولیاتی تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں۔

iv) کچرا اگر بروقت نہ اُٹھایا جائے تو نامیاتی کچرے سے بھی خطرناک گیس پیدا ہو جاتی ہیں۔

کچرے کو مناسب طریقے سے ٹھکانے نہ لگانے یا تلف نہ کرنے کی وجہ سے بے شمار خطرناک بیماریوں میں اضافہ ہوتا ہے۔بیماریوں میں اضافے کے باعث ان کے علاج معالجے اور روک تھام کے انتظام کیلئے اخراجات میں اضافہ۔

v) انسانی پیداوار فی کس میں کمی صحت میں خرابی کی وجہ سے عالمی سطح پہ جو توقع کی جاتی ہے۔فی کس اتنا کام نہیں کیا جا سکتا۔

vi) کچرے کی وجہ سے نکاسی آب کے مسائل بھی درپیش ہیں اور دریاؤں یا سمندر میں آبی حیات کو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ۔

vii) سیلاب میں بھی اضافہ ہوا ہے چاہے وہ ماحولیاتی تبدیلیوں کا اثر ہو یا کچرے کا دریاؤں سمندر میں جانے سے پانی کے بہاؤ میں کمی۔

viii) سونامی کا باعث بھی کسی حد تک اسے سمجھا جارہا ہے۔

IX) انسانوں کی شرح آمدن میں کمی کا باعث بھی ہے۔سیر و سیاحت کے شعبے میں بھی کمی اور نقصان اس وجہ سے تصور کیا جارہاہے۔

X) کوڑے کو جلانے سے زیادہ تر ماحولیاتی آلودگی میں اضافہ ہوا ہے۔

XII) خطرناک گیس میں اضافہ ہورہاہے۔امیر ممالک میں جس وجہ سے اوزون کو خطرہ ہے۔

XIII) زمینوں کی زرخیزی میں بی کمی ہورہی ہے جس کی وجہ زیادہ کیمیائی کھادوں اور

دیگر سپرے وغیرہ پہ اخراجات کرنا پڑھ رہے ہیں۔

Xiv) پینے کے پانی کے ذخائر میں بھی کمی کی ایک جہ یہ سمجھا جا رہا ہے۔

xv) اثرات سے بچنے کے لئے اقدامات بین الاقوامی سطح پر ترقی یافتہ مما لک نے آخر یہ تو سمجھ لیا کہ وہ دنیا میں زیادہ کاربن گیس پیدا کر کے ماحولیاتی تبدیلیوں کا باعث اور جو دنیا کو بچانے کیلیئے قدرت ہے ایک تہہ بنا رکھی ہے اس میں خدانخواستہ شگاف نہ پڑ جائے ماحولیاتی آلودگی اور زیادہ درجہ حرارت اور گیسز کے اخراج سے اس ڈر کی وجہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے جو مما لک اس دنیا میں کم کاربن پیدا کر رہے ہیں انہیں وہ ہر طرح سے مالی ،فنی و تیکنیکی معاونت کریں تا کہ ان مما لک میں خطرناک گیسیں زیادہ پیدا نہ ہوں اور دنیا میں جو آکسیجن کی مقدار ہے وہ کم نہ ہواوزون کی تہہ کو خطرہ اس لئے وہ اشیاء میں خصوصاً غریب مما لک میں کئی ایسے منصوبے شروع کر چکے ہیں یا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس سے کم از کم نامیاتی کچرا کی مقدار کم نہ اور اسے مناسب طریقے ٹھکانے بھی لگایا جائے کچھ عرصہ قبل تک وہ کم کاربن پیدا کرنے پہ فنانسنگ بھی کر رہے تھے باقاعدہ ان اداروں اور ملکوں کو رقم ادا کی جاتی تھی جسے کاربن فنانسنگ کہا جاتا تھا یعنی جتنی کاربن آپ نے کم پیدا کی اتنے حصّے کی رقم آپ کو ادا کی جاتی ابھی تھوڑی کاربن کریڈٹ کے کاروبار میں کمی واقع ہوئی ہے مگر وہ ایسے اداروں کو فنڈنگ فراہم کرتے ہیں گرانٹ جو کاربن کم پیدا کرنے میں اپنا حصّہ ڈال رہے ہوتے ہیں۔

اور محدود وسائل و توانائی حاصل کرنے کے منصوبوں کو بھی شروع کرنے میں معاونت کر رہے ہیں۔

☆☆☆

لیکچر نمبر ۸

# کچرے کا کاروبار، IRRC کا تعارف اور اسکی مصنوعات

حمید اللہ

تسلسل کے ساتھ استادِ اعظم عارف حسن صاحب ہماری مدد اور تعاون کرتے رہے اور ہمیں مشورے دیتے رہے۔ جب ہمارے سفر کے 10 سال ہو گئے تو ایک وقت ایسا آیا کہ شاید ہم اس سفر کو وہیں پہ ختم کر دیتے۔ کچھ اور کام کر رہے ہوتے۔لیکن عارف حسن صاحب نے ہماری حوصلہ افزائی کی اور ہمیں کام جاری رکھنے کی تلقین کی۔گزشتہ سولہ سال سے سفر جاری ہے۔اس کے نتیجے میں ایک پروڈکٹ IRRC کی شکل میں سامنے آیا۔

1997 ء میں ہم نے راولپنڈی شہر کے اندر ایک چھوٹا سا نمونہ تیار کیا تھا۔اس وقت ہمارے استاد فیاض باقر صاحب UNDP میں اعلیٰ عہدے پہ فائز تھے اور راولپنڈی میں متحرک بھی تھے۔ جو ڈاکٹر اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ کے موجودہ چیئرمین بھی ہیں۔ان کی کوشش سے ہمیں ایک چھوٹا سا پراجیکٹ محلے کے لیے ملا تھا۔تا کہ ہم ایک محلے کے کوڑے کا انتظام چھوٹی سطح سے شروع کریں۔ با قاعدہ گھروں کی سطح سے کوڑا اکرکٹ وصول کرنے اور اس سے مناسب طریقے سے ٹھکانے لگانے کا نظام بنایا۔اور لوگوں سے دس روپے مہینہ لینا شروع کیا۔جس سے کوڑے کے نظام کو بہتر کیا۔تقریباً ڈیڑھ دوسو گھروں سے روزانہ کوڑا اکٹھا کرتے تھے۔

چونکہ ہماری گلیاں تنگ تھی تو ہم نے جو ریڑھی منتخب کی ۔وہ ایسی تھی جو تنگ گلیوں میں جا سکے۔ یہ ریڑھی عموماً پنجاب میں ریت والی چلی بیچنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

اُس وقت وہ ریڑھی بازار میں 2000 روپے کی ملتی تھی۔ ہم راجہ بازار کے بالکل قریب رہتے تھے تو وہاں چار، چھ اور آٹھ فٹ کی گلیاں تھیں جن میں بڑی ریڑھی، گاڑی، ٹریکٹر ٹرالی کا گزرنا یا کنٹینر کا رکھنا بڑا مشکل تھا۔ صرف چھوٹی ریڑھی گزر سکتی تھی۔ اس لئے ہم نے وہ ریڑھی ڈیزائن کی۔

ہمارے پاس کوئی ایسی فیملی نہیں تھی جو کوڑے کرکٹ کا کام کرنے کے لیے تیار ہو۔ پھر ایک جگہ سے ایک فیملی لے آئے جو قرضے میں دبی ہوئی تھی۔ انھوں نے پانچ ہزار روپے سود پہ لیا تھا۔ ان کو میڈیکل اَن فٹ ہونے کی وجہ سے نوکری نہیں مل رہی تھی۔ یہ 1997ء کی بات ہے وہ فیملی آج بھی کام کر رہی ہے اور جو ریڑھی ہم نے ان کو دی تھی وہ آج بھی چل رہی ہے۔ یعنی انیس، بیس سال بعد بھی وہ اسی ریڑھی پہ کام کر رہی ہے۔ وہ سات سو گھروں کو سروس دیتے ہیں۔

شروع میں اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ نکاسی آب پر کام کر رہا تھا۔ گندے پانی کا حل تو نکِل آیا۔ لیکن کوڑا کرکٹ کا کیا حل نکالیں۔ 2009ء میں ایک وقت آیا۔ جب ہمارے معاون ادارہ واٹر ایڈ جو اس وقت مالی معاونت کر رہا تھا۔ انھوں نے ہمیں کہا یہ سال آپ کا آخری ہے۔ اگلے سال مدد نہیں کریں گے۔ تو ہم پریشان ہو گئے۔ اگر اگلے سال یہ مدد نہیں کریں گے۔ تو ہماری تنخواہوں کا کیا بندوبست ہو گا اور ہم کام کیسے کریں گے اور آگے کیسے چلیں گے۔ تو اس لئے ان سے درخواست کی کہ آپ ہمیں ایک سال کے لیے مزید پیسے دے دیں۔

عارف حسن صاحب نے ان سے متعارف کروایا اور 2005ء تک وہ معاونت کرتے رہے بعد میں ان کا آفس پاکستان میں بنا اور 2005ء کے بعد چھ سال کے لیے انھوں نے تعاون کیا لیکن پھر انھوں نے ہماری معاونت بند کر دی۔

ان کے تعاون سے 2008ء میں راولپنڈی شہر کے ایک علاقے ڈھوک سیداں جو کہ کنٹونمنٹ کا بالکل آخری حصہ ہے۔ وہاں 2000 گھر منتخب کئے۔ اس فارمولے کے تحت جو فارمولا ہم نے 1997ء میں لگایا تھا۔ ہمارے سٹاف نے گھر گھر جا کے لوگوں کو

سمجھایا آپ اپنا کوڑا گلی میں نہ پھینکیں۔ ہمارا ورکر کوڑا لینے آئے گا۔ اور کوڑے کو ٹھکانے لگانے کا انتظام ہم کریں گے۔ ہم نے کام شروع کیا تو اس مقصد کے لئے ماہانہ 100 روپے فیس فی گھر لیتے تھے۔ شروع میں ہمارے پاس اس کا اور کوئی حل نہیں تھا۔ ہم اس میں سے صاف صاف کباڑ نکال لیا کرتے جو ایک گھر سے ایک روپے کا نکلتا ہے۔ 100 گھروں سے 100 روپے کا نکل آتا تھا۔ 100 گھروں پہ ہم نے ایک خاکروب لگا رکھا تھا۔

خاکروب کو لوگ بہت بُرا بھلا کہتے تھے۔ تو ہم نے اس کا نام ای گارڈ رکھ دیا۔ انوائرمنٹ گارڈ یعنی ماحول کا محافظ۔ ان دنوں میں اسلام آباد میں کام کر رہا تھا تو ان گارڈوں کو دیکھ کے سوچا ایک ایسا گارڈ بھی ہونا چاہیے جو صحت کا ضامن ہو۔ جو آپ کو صحت دے۔ یا جو آپ کو بیماریوں سے بچائے۔ وہ انوائرمنٹ گارڈ ہونا چاہیے۔ تو اس کو ای گارڈ کا نام دے دیا۔ اور اس کو سمجھایا بھی کہ تم بہت بڑا کام کر رہے ہو اور لوگوں کو صحت دے رہے ہو۔

اس سروس کے بدلے سو روپیہ گھر ملتا تھا اور سو گھروں پہ ایک گارڈ ہوتا تھا۔ جہاں سے دس ہزار روپے کی وصولی ہوتی تھی۔ جس میں سے 6000 روپے ورکر کو اور 4000 اس کی نگرانی کرنے والے سپروائزر کو مل جاتے تھے۔ ہر گھر سے ایک روپے بکنے وال سامان (کباڑ) نکلتا تھا۔ جو سو روپے کا روز کا نکلتا تھا۔ اس حساب سے 2600 سے 3000 روپے ماہانہ آ جاتے تھے۔ جو کہ ورکر کو ملتے۔ اس طرح ہم نے دو ہزار گھر لیے تو اس میں دو لاکھ روپے ماہانہ آمدن شروع ہو گئی۔ اس کے علاہ کباڑ بھی نکلتا تھا۔

ایک سینٹر بنایا جس کے لیے ایک کنال جگہ کرائے پہ لی ہم نے اس کا نام ہریالی سینٹر رکھ دیا۔ جس کا معاہدہ ایک کباڑیے کے ساتھ کیا وہ ہمارے ورکروں سے کباڑ 32000 روپے میں خریدتا تھا اور پچاس ہزار روپے میں فروخت کرتا تھا۔ جس سے اسکو اٹھارہ ہزار روپے ماہانہ بچت ہو جاتی تھی۔ اس کی ذمہ داری سنٹر کو سنبھالنے کی بھی تھی۔ ہم اس سے کھاد بھی بنوایا کرتے تھے۔

فضل نور صاحب UN Habitat Office میں تھے اور وہ کچھ سوچ رہے تھے۔ کہ ہمیں کوڑے پہ تھوڑا کام کرنا چاہیے۔ کوئی فیئر پرائس شاپ بنانی چاہیے۔ ہم نے ان کو بتایا یہ سب ہم پہلے سے کر رہے ہیں۔ ہمارے سنٹر کو دیکھنے کے بعد انھوں نے کہا آپ اس ماڈل کو ہمارے ساتھ مل کے چھ شہروں میں بھی شروع کریں۔ جس کے بعد ہمارا ماڈل ای گارڈ (e-guard) سیالکوٹ، مانسہرہ، مینگورہ، گلگت اور مظفر آباد میں بھی شروع کیا گیا اور راولپنڈی کی جگہ ہم نے اس کو اسلام آباد شروع کیا۔

ہمارے ماڈل سے قبل کوڑا کرکٹ کھلی نالیوں پلاٹوں یا کسی ایسی جگہ پھینک دیا جاتا تھا جو سرکاری اہل کاروں کو نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن ہم نے باقاعدہ منظّم طریقے سے گھروں کی سطح سے کوڑے کو اپنی ریڑھیوں کے ذریعے باہر نکال کے مرکزی مقام پہ پہنچا دیتے جہاں سے اس کو اُٹھانا ٹی ایم اے کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ جس وجہ سے ٹی ایم اے والے ہم سے ناراض ہونے شروع ہوگئے کیونکہ ان کا کام بڑھ گیا تھا۔ پہلے تو لوگ کہیں نہ کہیں پھینک دیتے تھے۔ اور ٹی ایم اے کو اُٹھانا نہیں پڑتا تھا۔ جب وہاں دس ریڑھیاں لگا دی گئیں۔ تو دس ریڑھیوں کا مطلب یہ ہے کہ ایک ریڑھی والا دن کا 100 گھروں کا کوڑا اٹھاتا ہے تو سو گھروں کا کوڑا ساڑھے تین سو کلو ہوتا ہے۔ دس ریڑھیاں کے ذریعے ساڑھے تین ٹن کوڑا روزانہ نکل کے روڈ تک آنا شروع ہوگیا۔ پہلے تو TMA والے صرف ایک گاڑی روزانہ اُٹھایا کرتے تھے۔ کم پٹرول خرچ ہوتا تھا اور اسے کہیں قریب ہی پھینک دیا جاتا تھا۔ پھر انہیں 6 گاڑیاں لگانی پڑیں۔ جس وجہ سے ٹی ایم اے کی اس پروگرام میں دلچسپی کم ہوگئی اور انہوں نے اس کو ناکام کرنے کی کوشش شروع کر دی جس کی وجہ سے ہم نے سوچا کہ اب اس کا کوئی حل ڈھونڈیں تو اس وجہ سے ہمارا وہ پروگرام ایک ایک کر کے آدھے شہروں میں بند ہوگیا۔ لیکن کشمیر، مانسہرہ میں ابھی چل رہا ہے۔ جن شہروں میں باقاعدگی سے نہ چل سکا اس کی بنیادی وجہ یہ ہی تھی کہ TMA والوں کے پاس اسکو ٹھکانے لگانے کے لئے مناسب انتظام نہیں تھا۔

اس دوران فضل نور صاحب نے یہ آئیڈیا ڈھونڈا (IRRC) Integrated

Resource Recovery Centre جسکا ویت نام، بنگلہ دیش، سری لنکا میں کامیاب تجربہ ہو چکا تھا۔ایک ایسی جگہ جہاں پہ کوڑا کرکٹ لایا جائے۔اس کی مقدار کم کی جائے۔ پھر ہم نے IRRC بنانے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لیے بنگلہ دیش کے ماڈل کا دورہ کیا۔

جب اس ماڈل کے لئے پاکستان گورنمنٹ سے رابطہ کیا گیا۔تو ایک پاکستانی دوست عدنان آلیانی جو کہ ان دنوں مالی معاونت کرنے والے UN-ESCAP کے ایشیا ریجن کے آفس بینکاک میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔انہوں نے پاکستان کا دورہ کیا تو پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے انہیں مختلف شہروں میں دورے کروائے۔جس میں مظفر گڑھ ،مری، وغیرہ شامل تھے۔لیکن کہیں پہ زمین ناہموار اور ماحول ناموافق تو کہیں پہ سیلاب زدگان کے مسائل درپیش آئے۔جس کی وجہ اس ماڈل کی کامیابی تو کیا شروع کرنے میں بھی کئی رکاوٹیں آئیں۔آخر میں راولپنڈی میں شروع کرنے کا فیصلہ ہوا۔لیکن سرکاری اراضی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اور موجودہ عارضی لینڈفل کا فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہاں پہ بھی شروع نہ کیا جاسکا۔

ہمارے ادارے سے رابطہ کیا گیا اور جہاں پہ پہلے سے ہماری ای گارڈ سروس اسلام آباد کے سیکٹر G-15 جموں اینڈ کشمیر کوآپریٹو ہاوسنگ سوسائٹی کے ساتھ چل رہی تھی۔IRRC پر کام شروع کر دیا اور انھوں نے ہمیں جگہ دے دی تو آئیڈیا چل پڑا۔ G-15 ،جموں اینڈ کشمیر کوآپریٹو ہاوسنگ سوسائٹی ہے۔

اسلام آباد پانچ زون میں تقسیم ہے۔آپ لوگ واقف ہوں گے ویسٹ کے مسائل سے جس طرح فتح جنگ، مظفر گڑھ اور کوٹ مٹھن میں ہیں اسی طرح اسلام آباد میں بھی ہیں۔ان میں زیادہ فرق نہیں ہے۔بلکہ یہاں زیادہ مسائل ہیں۔بہ نسبت دوسرے علاقوں کے۔صرف سی ڈی اے زون نمبر 1 کا نصف حصہ ہی سنبھال رہا ہے۔باقی جو زون ہیں اس میں یا تو Orchard Scheme بنی ہوئی ہے۔زون 2 اور 5 جب پرائیوٹ ہاؤسنگ سوسائٹی بنا سکتے ہیں اگر کسی کے پاس آٹھ سو یا سولہ سو کنال زمین ہے۔تو وہ این او

سی لے سکتے ہیں۔ اور وہاں پہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی یا پرائیویٹ ہاؤسنگ سوسائٹی بنا سکتے ہیں۔ سوسائٹی بنانے اور چلانے کے قاعدے قوانین سی ڈی اے کے ہی لاگو ہوں گے۔ یعنی روڈ، گلی کی تعمیر و مرمت، پانی، بجلی، گیس یہ سارے انتظامات سوسائٹی نے کرنے ہوتے ہیں۔ زون-5 اور زون-2 کو صرف این او سی ہی دیتے ہیں۔ اوپر والا حصہ زون 3 ہے اس میں زیادہ مارگلہ کے پہاڑ ہیں لیکن نیچے والا زون-5 روات کے ساتھ بنتا ہے۔ جبکہ زون 2 ترنول کی سائیڈ پہ آتا ہے۔ یہ این او سی حاصل کرنے کے بعد ہاؤسنگ سوسائٹی کو صرف لیٹر دیتے ہیں۔ اور کچھ نہیں دیتے انکو پانی کا بھی انتظام حتیٰ کہ پانی کو ٹریٹ کرنے کا انتظام بھی خود کرنا پڑتا ہے۔ ٹریٹمنٹ پلانٹ اور کوڑے کو ٹھکانے لگانے کا انتظام بھی انہیں کرنا ہے۔

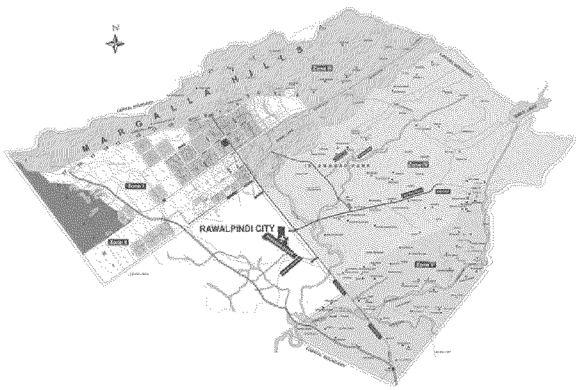


کوڑا اپھینکنے کے لیے بھی جگہ نہیں دیتے۔ کیونکہ سی ڈی اے کے پاس اپنی لینڈفل سائیٹ نہیں ہے، نہ ویسٹ مینجمنٹ سائیٹ ہے کہیں پہ کہ وہ اس کو manage کریں۔ وہ پہلے اسلامک یونیورسٹی کے قریب گڑھے تھے۔ ان میں ڈال رہے تھے۔ وہ گڑھے بھر گئے ہیں۔ اب سیکٹر I-12 میں جو گڑھے ہیں۔ اس میں ڈال رہے ہیں۔ اور اُوپر سے مٹی ڈال دیتے ہیں۔ اس طریقے کے خطرات اور نقصانات بہت ہیں۔ کل NUST والے لوگ آئے تھے۔ NUST یونیورسٹی بھی اس گند کے اوپر بنی ہوئی ہے۔ اس کی زمین میں بھی پہلے کوڑا اپھینکا جاتا تھا۔ اس وقت I-12 میں کچھ لوگوں نے مقدمہ بھی کیا۔ عدالت میں گئے

اور انھوں نے کہا جی آپ پنجاب والوں کو کہہ دیں کہ اپنی دیوار لگائیں اگر CM کوڑے سے تنگ ہیں۔ وفاق ہمارا علاقہ ہے ہم جانیں ہمارا کام جانے۔ ہم لوگ جیسے کر رہے ہیں۔ آپ لوگ اس میں مداخلت نہیں کر سکتے۔ ہمارا دفتر وہاں قریب ہے ہم دن بھر اس کی بدبو سے متاثر ہوتے ہیں۔ I-10 کا سیکٹر اس کے قریب ہے۔ برٹش ہوم اس کے قریب ہیں۔ یہ چوہڑ والی سائیڈ بھی اس کے قریب ہے۔ اور جب ہوا چلتی ہے تو وہاں ہر طرف بدبو ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے پاس کوڑے کا کوئی سسٹم نہیں ہے۔

جبکہ زون 2 اور 5 میں جو اتنی بڑی بڑی سوسائٹیاں بن رہی ہیں۔ سی ڈی اے والے انہیں سہولت کیسے فراہم کریں گے۔ اس لئے ان لوگوں نے پرائیویٹ طور پہ خود انتظام کرنا ہے۔

بہر حال جموں کشمیر ہاؤسنگ سوسائٹی والوں نے ہم سے بات کی اور ہم نے ان کو حل بتایا کہ اس کا حل یہ ہے۔ ۱۹۸۰ء میں انھوں نے یہ اراضی خریدی تھی۔ اور یہ سوسائٹی بنی تھی اور یہ ۴۴۸۶ کنال زمین ہے۔ ۳۳۵۰ پلاٹ ہیں اور ۲۱۰۰ گھر آپ کہہ سکتے ہیں۔ اب تک complete ہوئے ہیں لیکن اس وقت ۱۳۰۰ گھر آباد ہیں۔

میر پور، کشمیر اور راولپنڈی سے جو لوگ لندن میں ہیں انھوں نے یہاں investment کی ہوئی ہے۔ تو وہ رہتے ادھر نہیں ہیں۔ یا ان کے گھر ادھورے ہیں۔ لیکن گھر انھوں نے بنا لیے ہیں۔ اسی طرح ۱۳۰۰ گھروں سے ڈیلی کلیکشن ہوتی ہے۔

ڈاکٹر اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ نان پرافٹ آرگنائزیشن ہے۔ ہم نے فار پرافٹ کے لئے ای گارڈ فرم رجسٹرڈ کی ہے جس سے ایک چھوٹا سا بزنس شروع ہو گیا۔ ہم نے اس کو بطور کاروبار شروع کیا۔ اختر حمید خان میموریل ٹرسٹ اس کے سافٹ کمپوننیٹ دیکھ رہا ہے۔ ای گارڈ فرم اس کے ہارڈ component کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے ریگولر ایمپلائز ہیں۔ یہ روزانہ کی بنیاد پر کوڑا وصول کرتے ہیں اور اسے الگ الگ کرتے ہیں اور کھاد کا عمل بھی کر رہے ہیں۔

یہ نسخہ آپ لوگ بھی اپنے اپنے شہروں میں لگا سکتے ہیں۔ کہ اس کو بطور بزنس ایک فرم رجسٹرڈ کروالیں اور آپ لوگ بھی اپنے شہروں میں اس طرح کا کام کر سکتے ہیں۔ اور

اس کو as a business لے کے چلیں۔

میں آپ کو ابھی بتاؤں گا کہ ہم نے اس کے کون کون سے پہلو مدنظر رکھے جس کی وجہ سے یہ کامیاب ہوا۔ ایک تو ہمارا یہ پورا پروگرام چلا لیکن ہم نے اس کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی سٹوڈنٹ کی مدد سے لوگوں میں آگاہی دی۔ اور پھر کوالٹی ویسٹ مینجمنٹ کی سروس دی جس سے سوسائٹی کے گھروں اور پلاٹس کی قدرو قیمت میں اضافہ ہوگیا۔ سات مرلے والا پلاٹ ۳۵ لاکھ روپے کا تھا۔ ابھی سات مرلے والا پلاٹ ۶۰ لاکھ سے اوپر ہے۔ کیونکہ پہلے لوگ اوپن پلاٹ میں کچرا پھینک رہے تھے۔ اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ ایک بندہ اگر ۳۵، ۴۰ لاکھ روپے کا پلاٹ لیتا ہے اور ۳۵، ۴۰ لاکھ لگا کر اس پہ مکان بناتا ہے اور جب وہ صبح گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس کے گھر کے باہر کچرے کا ڈھیر ہو تو اس کے لیے کتنی مشکلات ہوتی ہیں۔ ہم نے اس مشکل کو کم کیا۔ اور صرف اڑھائی سو روپے میں یہ مشکل حل کر دی۔

اس وقت ہم سوسائٹی کو ۱۳۰۴ گھروں کا بل دیتے ہیں۔ جس کے تین ساڑھے تین لاکھ روپے وہ ہمیں ادا کرتے ہیں۔ اس میں سے ہم ہر مہینے دس فیصد ٹیکس بھی دے رہے ہیں۔ یعنی آپ یہ دیکھیں کہ ہمارا یہ کوڑے کا کاروبار ہے اور اتنا چمک گیا ہے کہ ہم ہر سال چار لاکھ روپے ٹیکس دیتے ہیں۔ ابھی پچھلے سال میں نے چار لاکھ روپے ٹیکس دیا اور اگلے سال ہم ان شاء اللہ آٹھ لاکھ روپے ٹیکس دیں گے۔ ہمارا کام بڑھ جائے گا۔ ہمیں ایک سوسائٹی اور مل گئی ہے۔ یہ ملٹی پروفیشنل ہاؤسنگ سوسائٹی ہے۔

ہم اپنے ٹیکس کو جان بوجھ کے Exempt نہیں کر رہے۔ کیونکہ ہم سمجھ رہے ہیں۔ کہ یہ اچھا ہے۔ کہ گورنمنٹ کو بھی کچھ پیسے جانے چاہئیں تاکہ لوگوں کو اس کام کی اہمیت کا پتہ چلے۔

عام طور پہ لوگ ویسٹ کے اس کام کو بلیو کالر جاب سمجھ رہے ہیں۔ ہم اس کو وائٹ کالر جاب بنانا چاہ رہے ہیں۔ اور ہم سمجھ رہے ہیں کہ اگر ترکی سے لوگ آ کے پاکستان میں بزنس کر سکتے ہیں۔ منافع اپنے ملک لے کے جا سکتے ہیں۔ تو پاکستانی لوگ

کیوں نہ ایسا کریں۔ یہاں پہ ایسی کمپنیاں کیوں نہ بنیں۔ ایسے چھوٹے چھوٹے initiative کیوں نہ ہوں۔

اس وقت جوترکی کی کمپنی راولپنڈی اور مختلف شہروں میں بھی کام کررہی ہیں۔ وہ کچرا اُٹھانے کا ۲۲ ڈالر فی ٹن لے رہی ہیں۔ جبکہ ہم 11 ڈالر لے رہے ہیں۔ ہمارا ریٹ اس سے آدھا ہے۔اور 22 ڈالر صرف اٹھانے کا ہے مینجمنٹ کرنے کا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اس بات کو آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ کہ وہ یہاں سے اٹھاتا ہے۔ وہاں پہ جاکے ڈمپ کردیتا ہے۔

ڈمپنگ سائیٹ ۲۰ سال کے لیے بنی تھی۔ وہ تین سال میں بھرگئی۔ اب نئی جگہ تلاش کررہے ہیں۔ پنڈی میں لوسر میں جہاں پہ جوجگہ ہے وہ بیس سال کے لیے انھوں نے ڈیزائن کی ہے وہ تین سال میں بھردی۔ وہ کوڑا ڈھونڈ کے اٹھا رہے ہیں۔ کیونکہ اس سے پیسے بن رہے ہیں۔

ہم نے یہ جوفرم بنائی ہے۔ اس کا ہم باقاعدہ ٹیکس ادا کرتے ہیں اور ہم اس کو لے کے چل رہے ہیں تو اس کو وائٹ کالر جاب بنادیا ہے۔ اور ہم اس کی باقاعدہ مینجمنٹ کررہے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ جو نئے نوجوان ہیں یا جو نئے لوگ ہیں۔ وہ اس میں آئیں اور اس میں بزنس کریں اور اپنے اپنے شہروں کو صاف کریں۔ اس میں دوقسم کی چیزیں ہیں بعض بزنس ایسے ہوتے ہیں جوصرف بزنس ہوتے ہیں یہ بزنس بھی ہے اور خدمت بھی ہے۔ مطلب ہم نے اس کو بطور خدمت بھی کیا ہے کہ عوام کو آپ صاف ستھرا ماحول دے دیں۔

چک جلال دین کی 6 گلیوں میں کام شروع کیا تو ہمیں پتہ چلا تھا کہ گزشتہ دومہینے میں ہر گھر میں ایک بندہ بیمار ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ پانی اور کوڑا تھا۔ جس پر طبی اخراجات 1632 روپے تھے۔ اور ٹھیک ہونے میں 3 سے 7 دن لگے۔ اور اگر گھر کا کماؤ پوت ہے۔ تو اس کی تین دیہاڑیاں یا سات دیہاڑیاں ٹوٹ گئیں۔ اب اس کی جو بنیادی وجہ ہے صرف وہ ویسٹ ہے۔

تو ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر شہروں کے اندر اس طرح کے پروگرام شروع ہو جائیں۔ اور وہاں پہ ویسٹ کو آپ لوگ manage کر سکیں۔ تو اس طرح کے گروپس پیدا ہو جائیں گے جو بطور کاروبار اس کو شروع کر سکیں یا مل جل کے اس مسئلے کو حل کریں تو ٹی ایم اے کا بوجھ بھی کم ہو جائے گا۔ اور اس میں سے آمدنی بھی شروع ہو جائے گی۔

اب اس کا ایک پہلو اور ہے کہ Trash is cash مطلب کہ یہ کاغذ جو کہ بک سکتا ہے۔ ٹی ایم اے والے یا گورنمنٹ کے لوگ جو ہیں اس کو جا کے ڈمپ کر دیتے ہیں۔ اگر اس کو ہم ڈمپ کریں گے تو اسکی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ اگر میں یہ گھر سے pick کروں گا اور ۱۰۰ کاغذ اکٹھے کرلوں گا۔ تو ۱۳ روپے کے بک جائیں گے۔ لیکن اگر اس کو پانی لگ جائے گا اور یہ ویسٹ میں خراب ہو جائے گا۔ تو اس کی ویلیو کم ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کو دفنا دیتے ہیں تو ویلیو بالکل ہی ختم ہوگئی۔

شاپرز اور پلاسٹک سے دانہ بن رہا ہے۔ چیزیں بن رہی ہیں، پروڈکٹ بن رہی ہیں۔ اس سے ۱۲۲ انڈسٹریاں چلتی ہیں۔ ۲۲ کارخانے جو ہیں ویسٹ کے ساتھ چلتے ہیں۔ وہ کوڑا جو آپ نے ڈمپ کر دیا جو بے کار ہو گیا جو انڈر گراؤنڈ واٹر کو آلودہ کر رہا ہے جو باقی مسائل کر رہا ہے۔ وہ فائدہ مند ہے۔ آپ کے ملک کے لیے آپ کے مزدوروں کے لیے آپ لوگوں کے لیے وہ اچھا بزنس دیتا ہے۔

عام طور پہ ایک گھر سے کوڑا گلی میں آتا ہے۔ پھر روڈ پہ آتا ہے اور پھر ٹرانسفر اسٹیشن جاتا ہے۔ اور آخر میں ڈمپنگ سائیٹ پہ ڈمپ ہے۔ یعنی اس کے کوئی تین چار steps ہیں۔ ہم نے سارے Steps ختم کر دیے۔ ہم گھر سے ڈائریکٹ IRRC لے آتے ہیں۔ جس سے لیبر کاسٹ سے کم ہو جاتی ہے۔ اس سے ویسٹ خراب نہیں ہوتا۔ اس سے آپ کی منتقلی پر اخراجات نہیں ہوتے۔

ایک زمانہ تھا کہ Centralize approach تھی ہر چیز کو ایک جگہ پہ رکھ کے اس کو manage کرتے تھے۔ اب جو نئی اپروچ آئی ہے وہ decentralized ہے۔ ہم نے یہ جو سسٹم کیا IRRC بنایا۔ یہ بھی decentralize سسٹم کے تحت بنایا۔

ایک IRRC ایک یونین کونسل کے لیے کافی ہے۔ ہمارے بہت سے شہر ایسے ہیں جو صرف ایک دو UCs پر مشتمل ہیں۔ جیسے فتح جنگ، گوجر خان، ٹیکسلا، جہلم، تلہ گنگ ہے۔

یہ جو ہمارا پلانٹ ہے اس کا تین ٹن کا سائز ہے۔ جو G-15 کے لئے کافی ہے۔ عام طور پر یونین کونسل میں تین ہزار کے لگ بھگ گھر ہوتے ہیں۔ جس کے لئے تین ٹن کا IRRC کافی ہے۔ ہم سوزوکیوں کی مدد سے گھروں کا ویسٹ IRRC تک لاتے ہیں۔ یہ کام ریڑھیوں پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں وقت زیادہ لگے گا۔ آپ لوگوں کے لئے یہ طریقہ بہتر ہے کیونکہ UC میں فاصلہ زیادہ نہیں ہوتا۔

ہم نے پچھلے سال ایک تجربہ کیا۔ راجن پور میں ایک سوسینیٹری ورکروں کو ٹریننگ دی اور ریڑھیاں دی۔ اگر ایک UC میں 30 ورکروں کو 30 ریڑھیاں دی جائے تو وہ ساڑھے تین ٹن ویسٹ لیکر آئینگے جو ایک IRRC کے لئے کافی ہے۔ اور یہ کل تین ہزار گھروں کو سروس دینگے۔ ہماری ڈیزائن شدہ ریڑھی میں پچاس گھروں کا کوڑا آتا ہے۔ اور اس کے اندر چھانٹی بھی ہوجاتی ہے۔ جبکہ ٹی ایم اے کی ریڑھی میں ۲۰ سے ۲۵ گھروں کا ویسٹ آتا ہے۔ یہ تجربہ ابھی ہم نے راجن پور میں کیا۔ جو کامیاب رہا۔ اور ریڑھی کی قیمت میں بھی زیادہ فرق نہیں ہے۔

عام طور پہ ویسٹ گھر سے اُٹھتا ہے نالی میں آتا ہے۔ نالی سے پھر ورکر نکالتا ہے۔ پھر وہ سوزوکی میں ڈالتا ہے۔ پھر اس کے بعد بیکار ہوجاتا ہے۔ وہ کسی کام کا نہیں ہوتا۔ لہٰذا گھر سے ویسٹ کو پک کیا جائے اور ڈائریکٹ اس کو IRRC میں لایا جائے۔ اگر ایسا ہوسکے تو بہتر ہے۔ سوزوکی کی جگہ ریڑھی پہ سروس سستی پڑتی ہے۔ اور کوڑا ابھی الگ الگ ہوجاتا ہے۔ ہمیں اسلام آباد میں مجبوری ہے کہ سوزوکی پہ کر رہے ہیں کہ ادھر اسلام آباد میں لوگ standard مانگتے ہیں۔ اس لئے ہم اس طرح کی چیزیں کر رہے ہیں ہم اس کو کہیں اور جگہ پہ ریڑھی پہ کرکے آپ کے ساتھ دیکھ لیں گے۔

بنیادی طور پہ پرائمری کلیکشن سسٹم کا ہونا ضروری ہے۔ IRRC اینٹوں گارے کی بنی ایک جگہ ہے۔ لیکن کوڑے کے بغیر وہ ایک بے کار عمارت ہے۔ اس لئے پرائمری

کلیکشن سسٹم کا ہونا ضروری ہے۔

شہری یونین کونسل میں زیادہ فاصلے نہیں ہوتے جبکہ دیہی یونین کونسل کا پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ایسا ہی ہے جو چھوٹے شہر ہیں ان کا جو پورا ایریا ہوتا ہے وہ دو چار کلومیٹر ہوتا ہے اور اس کو بڑی آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔اور مزید اس پہ سوچا جا سکتا ہے اس کے ماڈل سوچے جا سکتے ہیں۔اس پہ چیزیں کی جا سکتی ہیں۔اب میں تھوڑا سا آگے چلتا ہوں کہ پھر ہم نے اس میں کیا کیا۔ایک تو لوگوں کو سروس دی پھر ہم نے وہاں پہ مختلف جو اس کے معاشی فوائد ہیں۔کہ یہاں جو پلاٹ ہیں ان کے ریٹ بڑھ گئے۔مکانوں کے کرائے اس سے بہتر ہو گئے۔اس طرح کی چیزیں جو ہیں ان سے سوسائٹی کو فائدہ ہوا۔

پھر ہم نے یہ کیا کہ اس کے اندر کچھ تھوڑی سی چیزیں اور ڈال دیں مثلاً ملک پیک کی ہمیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان ڈبوں کا کیا کریں۔لاہور میں گرین ارتھ کے نام سے ایک پلانٹ لگایا ہے ان سے میری بات ہوئی اس نے کہا کہ تم لوگ اگر یہ لاہور پہنچا دو گے تو ہم دس روپے کلو کے حساب سے لے لیں گے۔اب لاہور پہنچانے کے لیے دس روپے کلو اس پہ کاسٹ آ جائے گی تو ہمیں اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کا کیا کریں ہم نے اس کا یہ حل نکالا کہ اس میں پودے لگانے شروع کر دیئے اور ہم نے سوچا ہے کہ پودے ہمارے پاس ایک نالہ ہے سائیڈ پہ ہم اس پہ پلانٹیشن کرنا شروع کر دیں۔یا گھروں والوں کو دینا شروع کر دیا۔اس پہ ہم تجربہ کر رہے ہیں۔اگر یہ کامیاب ہو گیا تو پانچ، دس روپے کا یہ پودا ہمارا سیل ہو گا اور اس میں کھاد ہم اپنی استعمال کر لیں گے یہ کھاد بھی گھروں میں منتقل ہو جائے گی۔ ڈاکٹر غلام جیلانی نے ہمیں یہ کہا ہے۔اس کو کریش کر کے کمپوسٹ میں ڈال لیں اس کے اندر جو مسئلہ ہے وہ کلی ہے کلی کو بعد میں نکال لیجیے گا لیکن جو اس کے اوپر گتہ ہے یہ Decomposed ہو جائے گا۔یعنی اس کو آپ لوگ استعمال کر سکتے ہیں۔یہ تجربہ ابھی ہم نے کیا نہیں ہے۔ہم کرنے جا رہے ہیں۔

G-15 کے رہائشیوں کو اُن کے لان اور پودوں کے لئے سستے داموں کھاد مہیا کر رہے ہیں۔یعنی جو پیکٹ بازار سے 50 روپے کا مل رہا ہے وہ ہم انکو 20 روپے کا دے

رہے ہیں۔ہم سے سوسائٹی میں کام کرنے والے مالی بھی خرید کے لے جاتے ہیں اور آگے منافعے پہ فروخت کرر ہے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ہم مختلف سکولوں کے ساتھ ساتھ پودوے لگانا بھی شروع کرر ہے ہیں۔

شروع میں ہم گھروں سے کوڑا اکھٹا کرنے کے لئے 25x15 کے بیگ دیتے تھے۔لیکن شاپنگ بیگ پہ پابندی کے بعد ہم نے شاپنگ بیگ دینا بند کردئے جسکی وجہ یہ تھی کہ ہمیں CDA کی قوانین کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔کیونکہ ہمارا ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ ہے۔اب ہم نے گھروں والوں کو دو بالٹیاں دینا شروع کردی ہے۔اور گھر کے باہر ڈبہ لگادیا ہے جس میں وہ بالٹیاں بھر کے رکھ دیتے ہیں اور ہمارا ورکر وہاں سے اُٹھا کے لے آتا ہے جس سے دو فائدے متوقع ہے۔ایک تو گھر کی سطح پہ کچرا الگ الگ ہونا شروع ہو جائیگا۔دوسرا اوقات کی پابندی بھی گھر والوں کو نہیں کرنی پڑے گی۔وہ صبح سویرے بالٹیاں اپنے ڈبے میں رکھ دیں گے اور اگلی صبح خالی بالٹیاں ہٹا کے نئ بھری بالٹیاں رکھ دینگے۔اسطرح نہ صرف کوڑا الگ الگ ملنا شروع ہوجائے گا بلکہ اوقات کے مسائل بھی کم ہوجائینگے۔اور کوڑے کو الگ الگ کرنے کے اخراجات بھی کم ہوجائینگے جس سے ہمیں مالی منافع ہوگا۔

اس وقت ہمیں کباڑیہ 30 ہزار روپے ماہانہ دیتا ہے جب کہ وہ الگ الگ کرنے والوں کو 55 ہزار روپے دیتا ہے۔جس سے یہ اخراجات کم ہوجائینگے۔اس کے علاوہ ہم ایک ڈبہ لگانے کے 4 سے 5 ہزار روپے لے رہے ہیں جس بھی ہمیں منافع ہورہا ہے۔ مطلب اس کو بھی ایک کاروباری نقطۂ نظر سے دیکھا ہے کیونکہ ہم Non Profitable organization ختم کرکے profit کی طرف چلے گئے۔

ہم گورنمنٹ لاز کو فالو کرر ہے ہیں اس وقت گورنمنٹ نے جو minimum salary رکھی ہے وہ ۱۳ ہزار روپے ہے۔ہم اس کو فالو کرر ہے ہیں۔ہم ہر ورکر کو ۱۳ ہزار روپے تنخواہ دیتے ہیں چاہے وہ آج آجائے۔آج آپ بندہ بھیج دیں ہم اس کو ۱۳ ہزار روپے مہینہ تنخواہ دیں گے۔دوسرا جو اس کا سٹینڈرڈ maintain کرنے کے لیے اس کو

ماسک Gloves، وردی، یونیفارم، بوٹ وغیرہ اپنے پاس سے دیتے ہیں۔تیسرا جو ہے ہم اس کو میڈیکلی انشورڈ کرتے ہیں۔سوشل سیکورٹی کے ساتھ ہم نے ایک معاہدہ کیا ہے۔ ہم ۸۰ ۷روپے ماہانہ اس کے بدلے اس کو دیتے ہیں اور وہاں سے اس کا میڈیکل کارڈ بن جاتا ہے۔پچھلے دنوں ہمارے ایک ورکر کا اس طرح کا ایشو ہوا تو اسے ہاسپٹل سے بہت اچھا علاج مل گیا ہے۔تمام ورکرز کا کارڈ بن جاتا ہے اور وہ سوشل سیکورٹی ہسپتال سے مفت علاج کرواسکتے ہیں۔ان کا علاج بڑا اچھا ہے۔ان کے ہسپتال بڑے اچھے ہیں۔وہ بڑی کیئر کرتے ہیں اس حوالے سے میں نے دیکھا ہے کہ سوشل سیکورٹی کا اپنا بڑا اچھا نظام ہے۔ تیسرا ہم جو کرنے جارہے ہیں۔کیونکہ ہماری یہ فرم جو ہے یہ ابھی بنی ہے۔اور ہمارے پاس ابھی تک اس پیمانے پہ پیسے نہیں تھے۔ابھی ہمارے پاس پیسے آنے شروع ہو گئے ہیں۔ ایک میں ایجوکیشن سوچ رہا ہوں۔ایجوکیشن اور پھر یہ عید کا بلکہ ہمارے پاس چار عیدیں ہوتی ہیں آپ کے پاس دو عیدیں ہیں۔مسلم بھی کام کرتے ہیں کرسچن بھی کام کرتے ہیں۔تو دو عید کرسچن کمیونٹی کی ہوتی ہیں اور دو عیدیں مسلموں کی ہوتی ہیں۔

ہمارے پاس ابھی ڈاکٹر جیلانی آئے اور Arid ایگری کلچر یونیورسٹی سے ڈاکٹر ارشد آئے انھوں نے کہا جی آپ کی جو کمپوسٹ ہے کل انھوں نے رزلٹ بھی آپ کو دکھایا ہوگا وہ ذرا weak ہے۔اس میں تھوڑا سا آپ مرغی کا ویسٹ شامل کریں تو یہ ذرا بہتر ہو جائے گی اور یہ اس کی پروڈکشن زیادہ بہتر ہوگی تو ہم نے وہاں منصوبہ بنایا ہمارے پاس بیس کلو کے قریب روٹی آتی ہے۔روزانہ کی ویسٹ کے اندر روٹی آتی ہے۔اور چاول آتے ہیں ابھی ہم نے منصوبہ بنایا ہے۔کہ چوزوں کے پالنے کا تجرباتی طور پر ہم نے ۱۰۰ چوزے رکھے ہیں۔اور ان کو دیکھ رہے ہیں کہ ان کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ باقاعدہ ہم نے ایک ڈاکٹر سے ہم نے رابطہ کیا ہے وہ بندہ جو ہے۔وہ ہمیں کچھ ویکسینشن اس کے لیے دے رہا ہے۔اور ہم یہی تجربہ کرنا چاہ رہے ہیں جو آپ کہہ رہے ہو۔لیکن ہم اپنے ویسٹ کو manage کرنا چاہ رہے ہیں۔ڈاکٹر غلام جیلانی نے ہمیں کہا کہ جو پراسس تم ۴۵ دن میں کرتے ہو مرغی آٹھ گھنٹے میں اس کو کر دیتی ہے۔تو آپ جو چاول گھر سے آ گئے اور آپ

اس کو بکس میں ڈالیں گے تو ۴۵ دنوں میں وہ کمپوسٹ بنے گی لیکن مرغی آٹھ گھنٹے میں بنا دے گی۔تو ہم یہ تجربہ چھوٹے پیمانے پہ کرنے جا رہے ہیں۔تاکہ پھر آگے اگر دوستوں کو سکھانا چاہیں تو ہم آپ کو بتا سکیں کہ جی یہ والا تجربہ کامیاب ہے۔یہ والا ناکام ہے۔یہ مت کیجیے گا۔یہ ہم نے کر کے دیکھا ہے۔اس کے یہ رزلٹس ہیں۔

ہمارے پاس ایک قدرتی نالہ ہے وہاں پہ تو ہم چاہ رہے ہیں کہ اس نالے کو اس کے اوپر ہم بطخیں رکھنا چاہ رہے ہیں تو ہمارے پاس جو روٹی آتی ہے۔بطخ کا انڈہ بیکری میں سیل ہوتا ہے اور ایک بطخ وہ چائنیز فوڈ میں کافی استعمال ہوتی ہے۔بطخ کا گوشت بڑا strong ہے۔بہ نسبت مرغی کے تو وہ ہم ایک نیا تجربہ کرنے جائیں گے۔

اگلے مہینے سے اس طریقے سے ہم چھوٹے چھوٹے تجربات اس سے جو انکم ہوگی۔وہ اگر ہمیں 100 انڈے روز کے ملیں گے تو ہمیں ایک ہزار روپے انکم ہوگی per day تو ۳۰ ہزار روپے ہمیں اس سے انکم اضافی ہونی شروع ہو جائے گی کہ جو ہمارے لیے IRRC کے لیے اور اس کی sustainability کے لیے بہت ضروری ہوگا۔کیونکہ چھوٹی چھوٹی یہ جو انکم ہوتی ہے۔ہم نے بزنس پلان بنایا ہے۔وہ کل آپ کے ساتھ شیئر بھی کریں گے۔اس میں جو ہم نے سیکھا ہے۔ابھی اس میں کہ آپ کے source of income جو ہیں۔وہ ایک نہیں ہونے چاہئیں ورنہ آپ خسارے میں چلے جائیں گے۔تو آپ مختلف ذریعہ آمدن تلاش کریں۔تو ہم اس میں جو بنیادی ذریعہ آمدن ہے۔وہ ہمیں سوسائٹی سے آ رہی ہے دوسرا جو ذریعۂ آمدن آ گیا وہ کباڑیے سے آ گیا ۳۰ ہزار روپے ۳۵ ہزار روپے۔تیسرا جو ذریعۂ آمدن ہے۔تقریباً ڈیڑھ سو ٹن کھاد بن گئی ہے وہاں پہ تو ایک ٹن پانچ ہزار روپے کی ہے۔آپ اس کو ملٹی پلائی کر کے دیکھ لیں۔وہ ایک انکم ہماری الگ سے ہے۔کہ مرغیوں سے پودوں سے اور اس طرح کی چھوٹی چھوٹی انکم کسی بیرونی امداد اس کی طرف نہ دیکھنا پڑے۔اگرچہ اس وقت بھی ہم پرافٹ میں ہیں۔

ایک اچھے کارخانہ دار کو جتنے پیسے بچتے ہیں۔اتنے ہمیں بچ رہے ہیں۔ہم عموماً ایک بات کرتے ہیں۔کہ جتنی کاسٹ ایک CNG پمپ کی ہے۔اتنی کاسٹ اس کی ہے۔

جتنی انکم ایک CNG پمپ کی ہے۔ اتنی آپ اس سے لے سکتے ہیں۔ اگر آپ ایک IRRC پلان کر لیتے ہیں تو آپ کی انکم اتنی ہوگی۔ جتنی آپ کو ایک CNG پمپ سے ہوگی۔ تو ہم اس کی مختلف انکم کے طریقے ڈھونڈ رہے ہیں۔ کہ کون کون سے ذرائع ہو سکتے ہیں۔ کہ ویسٹ میں رہ کے ایسا نہیں کہ ہم وہاں پہ بیٹھ کے پراپرٹی سیل کرنا شروع کر دیں تو زیادہ پیسے آجائیں گے۔ پلاٹ بیچنا شروع کر دیں نہیں ہم کوڑے کے اندر رہ اور کوڑے کے اندر جو اجزاء نکل رہے ہیں۔ جو چیزیں آرہی ہیں ان کو ہم کیسے سیل کر کے پراڈکٹ بنا کے IRRC کی انکم بڑھا سکتے ہیں۔ کہ جو صرف نہ صرف ہمارے لیے منافع بخش ہو بلکہ ویسٹ کے اندر جو ورکر کام کر رہا ہے۔ اس کے لیے فائدہ مند بھی ہو۔

ایک سوزوکی ہم نے شہباز شریف اسکیم سے لی ہے۔ نو ہزار روپے مہینہ ہم اس کا پے کرتے ہیں۔ اس کا ڈرائیور رکھوایا اور دو سوزوکیاں ہم نے رینٹ پہ لی ہیں۔ اور ان کا رینٹ جو ہے وہ ہر مہینے ہم ۴۰ ہزار روپے دیتے ہیں۔ براہ راست تو ایک لاکھ بیس ہزار روپے ہم تین سوزوکیوں والوں کو دیتے ہیں۔

ہر سوزوکی والا جو ہے چار سو گھروں تک پہنچتا ہے۔ اس وقت ۱۳۰۶ گھر ہیں۔ تین سوزوکیاں ہم نے لگائی ہیں۔ ایک سوزوکی کے ساتھ دو ورکرز ہیں۔ ایک ورکر دو سو گھروں کے لیے ہم نے ڈیزائن کیا ہوا ہے۔ تو ایک سوزوکی کے ساتھ دو ورکر ہیں۔ اور یہ دن میں دو پھیرے کرتے ہیں۔ ٦ پھیرے روزانہ کوڑا آتا ہے۔ یہ چار ٹن روز کا بنتا ہے۔

۱۳۰۰ گھروں میں سے دو ٹن compost بن جاتا ہے۔ ایک ٹن کباڑ یہ لے جاتا ہے۔ اور ایک ٹن جو ڈمپنگ سائیٹ پہ چلا جاتا ہے۔ ہمیں اکٹھے یک مشت وہ تیس ہزار روپے دے رہا ہے۔

میں کل بھی عارف صاحب کو بتا رہا تھا۔ کہ جب مسلم لیگ کی یا نواز شریف کی گورنمنٹ آتی ہے تو کباڑ کے ریٹ گر جاتے ہیں تو بہت سارا کباڑ ایسا ہے کہ جو لوگ پھر نہیں نکالتے۔ جس میں جو کل شاپنگ بیگ آپ نے دیکھا وہ کوئی بھی نہیں لے رہا۔ یہ دوسری حکومت جو ہوتی ہے۔ اس میں بڑا اچھا بک رہا ہوتا ہے۔ اس کے ریٹ بڑے اچھے

ہوتے ہیں پتہ نہیں کیا وجہ ہے۔ ہمیں اس کے اندر کی سیاست کا نہیں پتہ۔ ہمارا ریجکٹ ویسٹ بڑھ گیا یہ ہم نے پچھلے ماہ جو assessment کی تھی تو یہ پچیس پرسنٹ پہ چلا گیا تھا یا بیس پرسنٹ کے لگ بھگ ہے۔ یہ ۱۵،۲۰ پرسنٹ ہوتا ہے اوراس کے لیے بھی ہم نے سی ڈی اے سے NOC لی ہوئی ہے۔ اور CDA کی ڈمپنگ سائیٹ پہ جہاں پہ وہ اپنا ڈمپ کر رہا ہے۔ ہم بھی وہاں جا کے ڈمپ کر آتے ہیں۔ اپنا حصہ بھی ڈال رہے ہیں۔ اس میں اوراس طریقے سے ہم اس کو manage کر رہے ہیں۔

لیکن ہم تقریباً تین ٹن روز کا قابلِ استعمال بنا دیتے ہیں۔ ہمارا جو اپنا پلانٹ ہے۔ یہ روزانہ تین ٹن کھاد بنا سکتا ہے۔ جو اس کا سائز ہے۔ اور جو اس کے باکس ہیں۔ یہ تین ٹن ڈیلی کا ایک بکس میں ۱۵ سے ۱۶ ٹن ویسٹ آ جاتا ہے۔ مگر ہم دس، بارہ ٹن ڈالتے ہیں۔ تا کہ اسے الٹانے پلٹانے میں آسانی ہو۔ اور وہ جلد کھاد بن جائے۔ ۱۲ خانے ہیں ہر خانہ دو ہفتوں میں بھر جاتا ہے۔ اور ۴۵ دنوں میں پراسس ہو جاتا ہے۔ اور پھر سے نئے سرے سے اس میں تازہ مال ڈالتے رہتے ہیں۔ ۱۵ دن ایک باکس میں رکھتے ہیں۔ اور پھر خشک کر کے چھان لیا جاتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر گرائنڈ بھی کیا جاتا ہے۔ دو، تین میچورنگ بکس ہیں اس سے تین ٹن کا ہدف پورا ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

لیکچر نمبر ۹

# پرومو کلچر

## ڈارسی اور لیڈ

ڈارسی اور لیڈ دونوں امریکی ہیں اور پاکستان میں 2005ء کے زلزلے کے بعد تسلسل سے آ رہے ہیں۔ ڈارسی نے زلزلہ پروف مکانات بنائے۔ اس تجربے کو پاکستان کے دیگر علاقوں میں کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ان کے بنائے ہوئے مکانات نہ صرف ماحول دوست ہیں بلکہ توانائی بھی بچاتے ہیں۔ وہ زراعت میں بھی اس طرح کے اقدامات کے وکیل ہیں۔ جو پرومو کلچر کہلاتا ہے۔

ہمارے ہاں جو توانائی پیدا ہوتی ہے۔ وہ استعمال سے زیادہ ہے۔ جتنی استعمال کرنا ہوتی ہے اُس سے زیادہ پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ جو قدرتی عمارت آپ تصویر میں دیکھ رہے ہیں۔ اس کی عمارت ہمارے پاس ہے۔ اور اس کے کئی ماہرین ہمارے پاس ہیں۔ وہ ماہرین ایک ہی جگہ پر ہمارے لئے مل کے پائیدار کام کر سکتے ہیں۔ جس میں ایک ہی جگہ پہ ہماری ثقافت ترقی کر سکتی ہے۔ جس طرح آپ کنکریٹ کی عمارت بناتے ہیں۔ اُسی طرح ہم نے قلندر آباد میں عمارت بنائی ہے۔ جس میں گندم کے خوشے استعمال کئے گئے ہیں۔ جو کہ کنکریٹ کی طرح پائیدار عمارت ہوتی ہے۔ یہاں پر اس کو بنانے کے کچھ مقاصد ہیں۔ جیسے پرومو کلچر زمین کے کٹاؤ کو ختم کر دیتی ہے۔ جنگلات کے خاتمے اور آلودگی کو کم کر دیتی ہے۔ ایک اہم چیز جو کہ قدرتی نہیں یعنی جدید کھیتی باڑی ہے۔ وہ مصنوعی ہوتی ہے۔ یہ جدید زراعت کا طریقہ بنیادی طور پر سادہ اور آسان نہیں ہے۔ یہ پورے کا پورا مصنوعی کھاد پر انحصار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تین چیزیں Herbicides ،

Pesticidesاور GMO یہ قدرتی زراعت کے طریقے کو ختم کردیتی ہیں۔اس کے بعد پرائمری Suits ہے۔ یہ چیزیں مٹی کو ختم کردیتی ہے۔جس سے زمین کا کٹاؤ زیادہ ہوجاتا ہے۔اوراس کٹاؤ کو قدرتی کھاد بھی ختم نہیں کرسکتی یعنی قدرتی کھاد کا استعمال زمین کے کٹاؤ حتمی حل نہیں ہے۔جب تک اس باقاعدہ طریقے سے استعمال نہ کیا جائے۔اگر قدرتی کھاد کا باقاعدگی سے استعمال کیا جائے تو زمین کی کٹائی میں کمی آسکتی ہے۔اور یہ کمی ہماری زراعت کو آگے بڑھا سکتی ہے۔

مٹی کی زرخیزی بھی ایک اہم نقطہ ہے جس سے ہماری زراعت کے نظام میں پائیداری آسکتی ہے۔اگر مٹی زرخیز نہ ہوتو زراعت کا کوئی نظام نہیں بنایا جاسکتا۔لہٰذا زمین کی زرخیزی کے پانچ مختلف نکات کو مدنظر رکھنا ہوگا۔جس میں

1:- پہلے نمبر پر ماحول ہے۔وہ جگہیں جو دو دریاؤں کے درمیان بن جاتی ہیں وہ زیادہ زرخیز ہوتی ہیں۔جیسے کراچی میں جہاں مندوپ کے راست والے علاقے کی زمین بہت زیادہ زرخیز ہوتی ہیں۔ایک اور اہم نقطہ جو ترتیب کے حساب سے آخری نمبر پر آتا ہے وہ سیلف یوٹیلیٹی جس کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ہم جو کھادیں استعمال کرتے ہیں۔یعنی ہر بندہ اپنے حصے کی کھاد خود بنائے یا کمیونٹی یعنی گلی محلے کی سطح پہ بھی کھاد بنائی جاسکتی ہے اور اسکے استعمال سے زمین کی زرخیزی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

2:- دوسرا اہم نقطہ Bottom of shallow pond & lakes یعنی قدرتی تالاب کی تہہ یا جھیلیں

3:- جنگل کی زمین جہاں پہ پودوں پتوں وغیرہ کے حصے گل سڑ رہے ہوں۔

4:- فصلیں باغات ایک قسم کا گھاس جو افریقی ممالک میں اُگتا ہے۔گرم موسم اور سرد موسم کا گھاس۔

5:- اہم نقطہ یہ ہے کہ ہم سب مل کر قدرتی اور نامیاتی طریقوں سے فصلیں اُگائیں اور نامیاتی کھادوں کا استعمال کریں۔اور ایسے کھیت جس میں مٹی کی تہہ نہیں اور فصلیں

موجود ہوں اس کے اوپر کوئی اور خوراک والا پودا لگا دیا جائے اس طرح سے مٹی کی زرخیزی بڑھائی جاسکتی ہے۔

عام طور پر شہری علاقوں سے نامیاتی کوڑا اکھٹا کر کے اس کی کھاد بنائی جاسکتی ہے اور اسے دیہی علاقوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس کا باقاعدہ طریقہ کار اور ڈیزائن ہوتا ہے جس کے مطابق آپ نے کام کرنا ہوتا ہے۔ پھر لوگوں کے رویے دیکھنے ہوتے ہیں کہ وہ زیادہ تر کونسی مصنوعات استعمال کر رہے ہیں۔ مثلاً مرغی خانہ ہے جس کو ہم پسند کرتے ہیں مگر ہم جب اس کا تجزیہ کرتے ہیں اور ڈیزائن کرنا چاہتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے اگر ہم مرغی کو لے کر اس کی فارمنگ کریں۔اور جن چیزوں کا ہم تجزیہ کرتے ہیں وہ جانوروں کے باڑے ہیں۔ان کا کیا ڈھانچہ ہوتا ہے۔ ہر ایک چیز کی کچھ ضروریات ہیں اور کچھ اس کے اثرات ہوتے ہیں۔آپ اس حوالے سے کام کر کے اور استعمال کر کے کچھ فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ ہر ایک کام کا فائدہ حاصل ہوگا۔چاہے وہ کام آپ ذاتی استعمال کے لئے کریں یا کاروباری مقاصد کے لئے۔اگر چیزیں آپ کی ضرورت سے زیادہ ہوں تو آپ انہیں فروخت کر سکتے ہیں اور پائیدار ترقی کی طرف جاسکتے ہیں۔ ہمارے ماڈل میں ایک سادہ سا جانور لے کے اس کے لئے سسٹم ڈیزائن کیا جاتا ہے۔جس میں تھوڑا مشکل تو ہوتا ہے لیکن اس میں وسعت زیادہ ہوتی ہے۔اور مشکلات کسی بھی سسٹم کے لئے بہت اہم ہوتی ہے۔ یہ ہمارے ماڈل کا ورثہ ہے۔ انھی سے پائیداری کی طرف بڑھا جاسکتا ہے۔دوسرا زرخیزی کی طرف لے کے جاسکتے ہیں۔ یہ ماڈل ہمیں بھی آگے لے کے جاسکتا ہے۔اگر ہم اچھا ماڈل بنا کے دکھائیں۔کسی بھی ماڈل سے پہلے اس کے ڈیزائن کا تجزیہ کرتے ہیں اس کی پراپرٹی کو چیک کرتے ہیں۔ اور اس کو باقاعدہ سے مانیٹر کیا جاتا ہے۔ماڈل کے مختلف نکات ہیں جن پر اس کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔جن میں اہم گھریلو سطح ہے یا پرائمری جگہ ہے دوسرے باغ بھی ہیں۔یا Huts یعنی جھونپڑے ہیں۔فل حال ہمارے پاس ایک ہی نقطہ ہے۔ بہت سی جگھوں کے لئے ایک ہی ہوم سنٹر جو گھر کی سطح ہو سکتی ہے جو کہ پورے زون یا شہری علاقوں میں بھی اچھے طریقے سے گھریلو مصنوعات کی تیاری

والی سرگرمیاں کی جاسکتی ہیں۔ایک فیملی کے لئے اچھے طریقے سے ایک باغ تیار کیا جا سکتا ہے۔دوسرے نمبر پر فارم آتا ہے جس میں ہمارے پاس مین بکس ہوتا ہے۔جس کا سائز گھر سے بڑا ہوتا ہے۔پہلے ہم نے ایک گھر کے بارے میں بتایا اس گھر کے آس پاس اور قریب کے علاقے ہیں۔جن میں بہت زیادہ کاشت کاری ہو رہی ہوتی ہے اسے مختلف علاقوں میں بھی بنا سکتے ہیں۔اور اچھی مصنوعات پیدا کر سکتے ہیں۔اور ہم جو فصلوں موجودہ فصل مکئی، باجرہ اور گندم کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔یہ جو گھر کے اندر یا قریب کا آئیڈیا ہے یہ آپکا وقت بھی بچاتا ہے کیونکہ اگر آپ کا کھیت دور ہوگا تو آپ کو اس کی دیکھ بھال کرنے کے لئے آنے جانے میں زیادہ ٹائم لگے گا۔جب کہ قریب ہونے کی وجہ سے وہ وقت بچ جائے گا۔اس کے علاوہ آپ دور کھیتوں میں پہنچنے سے پہلے دھول اور مٹی سے اٹے ہوئے ہوں گے۔اگر یہ تمام چیزیں ایک ہی جگہ پر ہوں گی۔تو پیداوار بھی حاصل ہوگی اور وقت بھی بچے گا۔اور آلودگی میں بھی اضافہ نہیں ہوگا۔

اس کے علاوہ اگر آپ کے پاس زیادہ جانور یا بڑے درخت ہوں۔تو اس کے لئے زیادہ رقبہ درکار ہوگا۔تب آپ وہ پیداوار حاصل کر پائیں گے۔اگر آپ کے پاس چھوٹا علاقہ ہے تو آپ کم مقدار میں جانور رکھ کے تحقیق کر سکتے ہیں۔ان کی دیکھ بھال میں کم پانی کی ضرورت پڑے گی اور وہ خود بخود بڑھ جائیں گے۔اس کے علاوہ ایک پہلو اور ہے کہ بہت بڑے پیمانے پر آپ دوبارہ سے چیزوں کی افزائش کر سکتے ہیں۔یعنی جس میں درخت بھی ہو سکتے ہیں یعنی آپ شکار کے لئے جنگلات اُگا سکتے ہیں۔جس کے لئے بہت بڑا رقبہ درکار ہوگا۔فلپائن میں کچھ مخصوص علاقوں میں لوگوں نے مختلف علاقوں میں بلاکس بنا کر بہت سارے رقبے پر یہ کام کیا ہے۔اسی طرح پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں بھی کچھ خاندان ایسے رہتے ہیں جن کے لئے ہم نے پرموکلچر ڈیزائن کیا ہے۔یعنی انہوں نے جانور اور فصل گھر کے قریب پالے ہوئے ہیں۔

ہمارے پاس جو دوسرا ڈھانچہ ہے۔وہ سائنسی بنیادوں پر ہے۔یعنی ہم پہلے سورج کا بغور جائزہ لیتے ہیں۔اور اس کے طلوع اور غروب ہونے کا تجزیہ کرتے ہیں۔کہ

سورج کس طرف سے نکلتا اور غروب ہوتا ہے۔اوراس دوران گھروں پہ اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں۔اور یہ کہ ہم اس کا رُخ بتا سکیں۔کہ وہ کس طرف ہے۔اس کی شعاعیں کتنے علاقے کو کور کرتی ہیں۔اور سردیوں اور گرمیوں کے موسم میں سورج کی شعاعیں کتنا فاصلہ طے کرتی ہیں وہ پورا سال کس طرح سے آپ کی جائیداد اور گھر وغیرہ پر اثر کرتی ہیں۔اور آپ کس طرح سے سورج کی شعاعوں سے مختلف موسموں میں فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

جب گرمیوں میں ہوائیں چلتی ہیں تو اس کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔اور سردیوں میں ہوائیں چلتی ہیں تو آپ کی جائیداد پر کس طرح سے اثر انداز ہو سکتی ہیں یعنی مون سون کی بارشیں وغیرہ۔اس کے علاوہ ان تمام مسائل کا بھی جائزہ لینا ہوگا جو کہ موسم کی تبدیلی سے درپیش ہو سکتے ہیں جیسے سردیوں میں جو ہوائیں آتی ہیں وہ سخت اور بہت ٹھنڈی ہوتی ہیں اور اکثر طوفانی بارشوں کا باعث بنتی ہیں۔تو ان کو مدِ نظر رکھنا ہوگا کہ وہ آپ کی جائیداد پر کیسے اثر انداز ہو سکتی ہیں۔اور اُن ممکنہ مسائل سے کیسے بچا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ کوئی مخصوص جگہ یا نظارہ دریا پہاڑ یا کوئی ایسی چیز جس سے آپ محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔یعنی وہ متاثر بھی نہ ہو اور آپ اسکو بچا بھی لیں۔ایسے رُخ پہ تعمیرات کریں۔دوسرا اگر آپ ہمسایوں کے شور سے بھی تنگ ہوں تو اس سے بھی کسی طریقے سے بچا جا سکتا ہے۔ایک بہت بڑا خطرہ یا مسئلہ ان علاقوں میں بھی ہو سکتا ہے۔وہ جنگلوں میں لگنے والی آگ ہوتی ہے۔جو بہت بڑے پیمانے پہ لگ سکتی ہے۔لیکن عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ پاکستان میں اس کا خطرہ بہت کم ہے۔بلکہ آگ لگنے کا تصور نہیں البتہ یہاں پر سیلاب بہت زیادہ آتے ہیں تو آپ نے گھروں کی ڈیزائننگ کرتے وقت اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا ہے کہ سیلاب سے ان گھروں کو زیادہ نقصان نہ پہنچے۔اس کے علاوہ ایک اور چیز کا خیال رکھنا ہے کہ جو جنگلی جانور بیشتر اوقات موسمِ سرما اور موسمِ گرما میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔ان کے جانے کے بعد ان کی رہنے والی جگہوں کا بھی آپ نے دھیان رکھنا ہے۔آپ کے کام سے وہ خراب نہ ہو۔اس کے علاوہ ایک بہت اہم چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جہاں پہ آپ گھر ڈیزائن کر رہے ہیں۔وہاں سے بجلی کی کوئی بہت بڑی

سپلائی لائن تو نہیں گزر رہی۔اور بجلی کی تاریں اور کھمبے آپ کے گھروں کو متاثر تو نہیں کریں گے۔یا آپ کے گھروں کا ڈیزائن بجلی کے نظام کو متاثر تو نہیں کرے گا۔ان سب چیزوں کے علاوہ ایک اور بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ کوئی ایسا ترقیاتی منصوبہ تو نہیں جو کہ مستقبل میں آپکے ڈیزائن کو خراب کرے۔اس کے علاوہ گھروں کا نقشہ بھی ضروری ہے۔ہم نے ان سب باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بٹل مانسہرہ کے علاقہ میں کام کیا۔اس کو آپ دیکھ سکتے ہیں اور اس کے مطابق آپ بھی بنا سکتے ہیں۔

البتہ کم قیمت والے مقامی ڈیزائن کو بنانا ایک مخصوص فن ہے۔جس کو آپ نے کس طرح سے ڈیزائن کرنا ہے یہ جاننا بہت ضروری ہے۔سب سے پہلے اس علاقے میں پانی وافر مقدار میں ہونا ضروری ہے کیونکہ پانی میں بہت طاقت ہے جو کسی بھی علاقے کو زرخیز بھی بنا سکتا ہے اور خراب بھی کر سکتا ہے۔اگر اس کو ایک مخصوص اور اچھے طریقے سے استعمال کیا جائے تو علاقہ ترقی کر سکتا ہے۔اگر اس کو غیر محفوظ طریقے سے استعمال کیا جائے تو وہ خراب بھی کر سکتا ہے اور نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ گھروں کو ڈیزائن کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جہاں گھر بنائے جا رہے ہیں وہاں تک لوگوں کی رسائی ممکن اور آسان ہو۔اس کے علاوہ لوگوں کی قوتِ خرید کے مطابق ہوں۔ان کی تعمیر مختلف مراحل میں کی جائے تو لوگوں کے لئے آسان ہوگا۔اس کے علاوہ تعمیرات کی جگہ ایسی ہو جہاں پہ ہوا، پانی، بجلی اور دوسری بنیادی سہولیات پہلے سے موجود ہوں یا مستقبل میں ان کی آمد متوقع ہو۔ورنہ قریب کے علاقہ میں موجود ہوں جہاں سے آپ اپنے متعلقہ مقام تک پہنچا سکیں۔اس کے علاوہ گھروں کو ڈیزائن کرتے وقت اور ان کو تعمیر کرتے وقت اس بات کا بھی دھیان رکھنا ہے کہ آپ کو کتنا پیسہ اور کتنا وقت لگے گا۔آپ اُن گھروں کو تعمیر کرنے کا طریقہ جانتے ہیں یا کسی کی تکنیکی معاونت حاصل کر سکتے ہیں۔اور آپ کے پاس کتنے وسائل ہیں۔ہمارے پاس ایک علاقہ بانتری کا نقشہ موجود ہے جس میں لوگوں نے علاقے کو مختلف زونز میں تقسیم کیا ہے اور اپنی ضروریات کے مطابق ڈیزائن کیا ہے کہ وہ کس طرح اپنی ضروریات کو پورا

کر سکتے ہیں ان کے علاقے میں ایک ندی ہے، جو پہلے لوگوں کے لئے مسئلہ تھی لوگ سوچ رہے تھے کہ اس کے پانی کو کیسے روکا جائے۔ جہاں پہ پانی کو سٹور کرتے ہیں اس کے بعد پانی کی نہر بنا کے وہاں تک لے گئے جہاں لوگ رہ رہے تھے اور انہیں پانی کی ضرورت تھی۔ اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اس کو دور لے کر جانا مشکل ہے۔

ہم نے ایک اور چیز سیکھی ہے کہ ان گھروں کو انفرادی طور پر اپنے لئے پیداوار حاصل کرنا آسان ہوتی ہے۔ اس علاقے میں پانچ خاندان رہتے ہیں جو اپنی استعداد کے مطابق اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ اور ضرورت سے زیادہ پیداوار کو بیچ دیتے ہیں ہم نے ایک اہم چیز یہ دیکھی کہ وہ لوگ جانوروں کے فضلے سے کھاد تیار کرتے ہیں۔

یہ ماڈل اور ڈیزائن Mr.Bill Mollison کا ہے انہوں نے اس حوالے سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ جو کہ اصل میں ویلفیئر کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس حوالے ویب سائٹ پر ویڈیوز بھی موجود ہیں جسے سے دیکھ کے آپ چند مہینوں میں سیکھ سکتے ہیں۔

میرا نام ڈارسی ہے۔ اور میں 10 سال پاکستان آنا جانا کر رہی ہوں۔ اور میرا کام قابلِ برداشت گھروں کی تعمیر کرنا ہے۔ اس حوالے سے بہت ساری دوسری تنظیمیں بھی پاکستان میں کام کر رہی ہیں۔ مگر میرا کام تھوڑا سا مختلف گھر بنانا ہے۔ جو کہ Straw یعنی بھوسہ یا گندم اور چاول کے خالی خوشوں سے بلاک بنا کر گھر بنانا ہے۔ ہم تعمیرات پہ بعد میں بات کریں گے۔ پہلے میں بتاتی چلوں ہم ان لوگوں کے لئے گھر بنانے کی حیثیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان کی قیمت ان لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہوگی۔ اس کے لئے شروع میں ہم مچھلی پکڑنے والے جال استعمال کرتے تھے۔ اور بنیاد بنانے کے لیے پتھر کا استعمال کرتے تھے۔ یعنی مچھلی کے جال اور پتھر کو ملا کر تعمیر کی جاتی تھی۔ پھر ان کو سیمنٹ سے پلستر کرتے تھے۔ لیکن پاکستان میں جب ہم نے کام شروع کیا یہاں پر ہر جگہ مچھلی کے جال دستیاب نہیں ہوتے۔ پاکستان میں مخصوص قسم کے بھوسے سے بنے ہوئے بلاک دستیاب نہیں تھے اس لئے ہم نے اپنی طرز سے یہ بنانے کا کام شروع کیا۔ چائنہ سے مخصوص قسم کے کمپریسر منگوائے جس میں خوشوں کو کمپریس کرتے ہیں اور اس سے بلاک بناتے ہیں جو کہ

گھروں کی تعمیر میں استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ امریکہ میں ہمارے پاس اس مقصد کے لئے بڑی بڑی مشینیں ہیں جو کہ کھیتوں کے اندر ہی بڑی بڑی ٹائلز بنا لیتے ہیں لیکن پاکستان کے لیے جو چائنہ سے ہم نے سانچے منگوائے ان میں چھوٹے چھوٹے بلاک ہاتھوں سے بنائے جاتے ہیں جس کے لئے ہم دو طرح کی چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ Chop straw یعنی بھوسہ اور دوسرے لمبے خوشے جو چاول یا گندم کے ہو سکتے ہیں۔ لمبے خوشوں سے ہم بلاک بناتے ہیں اور بلاک سے دیواریں بنتی ہے اس کے بعد بھوسے کو مٹی میں ملا کے پلستر کرتے ہیں۔ ان بلاکس کو بالکل اینٹوں کی طرح رکھ کے دیواریں بنائی جاتی ہیں۔ اور دیواروں کے اندر ہم لمبے بانس استعمال کرتے ہیں تا کہ وہ ان بلاکوں کو مضبوطی سے پکڑیں۔ اس کے علاوہ لکڑیاں بھی استعمال کی جاتی ہیں جو کہ وقتی طور پہ ہیں۔ تعمیرات کے دوران چیزوں کو سیدھا رکھنے کے لیے اور جیک کے طور پہ استعمال کرتے ہیں۔ انہیں الگ الگ بنایا جاتا ہے پھر دیوار کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر ان خوشوں کو پانی یا مٹی میں ملا کر ایک لیئر بنا کر اُوپر ڈال دیتے ہیں۔ Insulation کے لئے تا کہ یہ گرمیوں میں ٹھنڈے رہیں اور سردیوں میں گرم رہیں۔ اس کا بہت اہم فائدہ یہ ہے کہ یہ انرجی ایفشنٹ ہوتے ہیں۔ یعنی توانائی کو بچاتے ہیں۔ تعمیرات کا اگلا مرحلہ اس کے چھت کو بھی انرجی ایفشنٹ یعنی توانائی بچانے والا ہوتا ہے۔ آپ کے ہاں جو بنیادی طور پر چھت بنتی ہے وہ بہت آرام دہ ہوتی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ آرام دہ بھی بنایا جاسکتا ہے جو کہ گرمی سردی میں مفید ہوں ہم مکان کی چھت الگ لکڑیوں سے بناتے ہیں اس پہ پلاسٹک ڈال کے مٹی ڈال دی جاتی ہے۔ پھر اس کے اوپر جستی چادریں لگا دی جاتی ہیں۔ جس سے وہ سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اور مکان مکمل ہونے کے بعد اس کے اُوپر چادر کا شٹر لگایا جاتا ہے۔ جس سے بارش کا پانی اکٹھا کر کے سٹور کر سکتے ہیں اور کھیتی باڑی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ گھر کی اندرونی دیواریں قدرتی نظام سے بناتے ہیں۔ جب کہ جو باؤنڈری وال ہے وہ پلاسٹک یا بانس کی روایتی طریقے سے بنتی ہیں۔ دیواروں کو پلستر کرنے کیلئے ہم مٹی، ریت اور بھوسہ استعمال کرتے ہیں اور مٹی خاص قسم کی ہوتی جس کو لائن کہتے ہیں وہ

چکنی مٹی ہوتی ہے جسے ہم استعمال کرتے ہیں۔ لائن پلاسٹر چکنی مٹی والا بہت قیمتی ہے پہلی تہہ کے بعد ہم جو فنشنگ نیٹ اوپر چڑھا دیتے ہیں۔ دیواروں پہ کیلوں سے باندھ لیتے ہیں اور اس طرح سے بنیاد سے لے کے چھت تک تمام حصوں کو آپس میں جوڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح باورچی خانے اور لیٹرین کی جو اندرونی دیواریں بنائی جاتی ہیں۔ یہ اندرونی حصے کی سیلنگ سے بنا ہوا ہے اور اس سے چھت کی فنشنگ کی جاتی ہے۔ میٹریل لیبر پہ پانچ سے سات ہزار روپے per square feet خرچہ آتا ہے۔ ۴۰ گھر بنا چکے ہیں۔ ایک ٹسٹ کیا گیا ہے جس کو خاص مزدوروں نے بنایا ہے۔ اور پھر اس کو زلزلے سے بچنے کی حالت میں لائے اور اس کی قوت کو چیک کیا گیا اگر زلزلہ کتنے ریکٹر اسکیل کا آ جائے تو اس کا کیا ہوگا؟ سول انجینئرنگ میں یہ ایک مخصوص قسم کا ٹسٹ ہوتا ہے۔ ٹیسٹ کے دوران چیک کیا جاتا ہے کہ زلزلے کے دوران بلاکس ایک دوسرے سے ہٹیں نہیں یا ایک دوسرے سے دور نہ جائیں۔ بلاکس کو پکڑنے کے لیے انھوں نے جگہ جگہ پہ اس کو کیلیں لگائی ہیں تاکہ وہ اس کے ساتھ ہی جڑے رہیں جو لکڑیوں کی بانسوں کو مضبوط کرنے لئے استعمال کیا گیا۔ لیبارٹری میں ٹیسٹ میں بہت بڑے پلیٹ فارم پہ اور اس کو ایک بڑی کرین کی مدد سے اٹھا کے شہر کے اندر لایا گیا۔ پھر Shaking مشین کے اوپر رکھ کے اس کا ٹسٹ کیا گیا کہ زلزلے کے دوران یہ کتنا بہتر ہے۔ جب اس پلیٹ پہ دفعہ اس کو ٹسٹ کیا۔ مختلف ریکٹر سکیل پہ (Shake) یعنی ہلایا گیا اور کشمیر میں جو آٹھ ریکٹر اسکیل کا زلزلہ آیا تھا۔ اس کے ریکٹر اسکیل کو دوگنا یعنی 16 ریکٹر سکیل کر کے ٹسٹ کیا گیا اس سے پہلے سات دفعہ اس کو آزمایا گیا تھا تو ہر دفعہ جب آزماتے تھے تو کوئی ریپرنگ نہیں ہوتی تھی۔ ۸ دفعہ اس کو آزمایا گیا تو اس میں دراڑ آئی جب کہ پہلی سات بار میں ٹھیک تھا۔ اس لئے کہ وہ آٹھویں بار میں جو جھٹکا تھا وہ زمیں کی حرکت سے آٹھ گنا زیادہ تھا۔ ہمارا ان سے ایک سوال تھا کہ انھوں نے جو ٹسٹ کیا ہے وہ فلیٹ سروس کو ٹسٹ کیا ہے کبھی کبھار اس قسم کا بھی زلزلہ آتا ہے کہ زمین پانی کی لہروں کی طرح ہلتی ہے انھوں نے یہ ٹسٹ تو نہیں کیا کیونکہ یہ بہت کم ہوتا ہے۔ عموماً زلزلوں میں اس قسم کا زلزلہ بہت کم آتا ہے کہ جس میں waves بن کے تباہی ہو۔ مگر

### ooO محاصلِ کچرا Ooo

ہمارے ہاں جو زلزلہ آتا ہے اس میں زمین ہلتی ہے جس کے دوران یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ دیواریں ایک جگہ سے اٹھ نہ جائیں۔ انہوں نے جو ٹیسٹ آخری دفعہ کیا اس ٹیسٹ میں نہیں ہوا کہ دیوار اپنی جگہ چھوڑ کے اوپر کی طرف سائیڈ پہ گر گئی ہوں بلکہ ان کے کامیاب رہے۔

☆☆☆

عام طور پر چھوٹے شہروں اور قصبوں میں میونسپل ادارے سارے کوڑے کو مکس کر کے پھینک دیتے ہیں۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے اس کے برعکس IRRC ماڈل میں مکمل طور پہ کوڑے کو الگ الگ کر کے ہر حصے سے فائدہ حاصل کیا جارہا ہے۔

عارف حسن

چھوٹے شہروں کے اندر آپ کو دیہی علاقوں کے متعلق بھی سوچنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے دیہی علاقے اب بہت پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے اندر رہنے والوں کا طرز زندگی بھی تبدیل ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کی کچرے کی مقدار میں کافی اضافہ ہوا ہے۔

فضل نور

ہمارے سرکاری ادارے ہر وقت کسی نہ کسی بیرونی امداد کی انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی غیر ملکی ڈونر یا بڑی NGO آئے گی اور ان کو وسائل فراہم کرے گی تو وہ اپنے کوڑے کا انتظام کریں گے۔

جمیل اصغر بھٹی

کیمیائی کھاد کے مقابلے میں اگر نامیاتی کھاد اپنی زراعت کیلئے استعمال کریں تو اس کے اثرات کیمیائی کھادوں سے بہتر ہوں گے۔ کیمیائی کھاد انگریزی ادویات کی طرح ہوتی ہیں۔ جس کے منفی اثرات زمین کو کمزور بنا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی

کوڑے کو جلانے سے ہمارے ماحول پہ خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے عالمی سطح پہ حدت اور درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان گیسوں کی وجہ سے سورج کی شعاعیں زمین سے ٹکرا کر واپس مڑ نہیں پاتی۔ جس کی وجہ سے زمین کے درجہ حرارت میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر ذیشان

کچرے کو مناسب طور پر ٹھکانے لگانے سے امیر آبادیوں میں پلاٹوں کی ویلیو بڑھ جاتی ہے اور غریب آبادیوں میں بیماریاں کم ہو جاتی ہیں۔ روزگار پیدا ہوتا اور وسائل کارآمد ہو جاتے ہیں۔

حمید اللہ

ہم نے امیر ممالک سے ان کی طرح کا لباس پہننا، گاڑیاں اور موبائل کے ساتھ جدید طریقہ خوراک، پیکنگ شدہ اشیاء اور مشروبات کا کھانا، پینا تو سیکھ لیا مگر ان سے کچرے کو ٹھکانے لگانے کا طریقے اور اس کا انتظام کرنے والے قوانین نقل نہ کر سکے۔

سمیرا گل

اگر قدرتی کھاد کا باقاعدگی سے استعمال کیا جائے تو زمین کی کٹائی میں کمی آسکتی ہے اور یہ کمی ہماری زراعت کو آگے بڑھا سکتی ہے۔

ڈارسی اور لیڈ